ناموسِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم



بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیۡمٍ. ۶۸/۴

اور بے شک تم اخلاق کے بڑے مرتبہ پر ہو

اَلۡخَبِیۡثٰتُ لِلۡخَبِیۡثِیۡنَ وَالۡخَبِیۡثُوۡنَ لِلۡخَبِیۡثٰتِ ج وَالطَّیِّبٰتُ لِلطَّیِّبِیۡنَ
وَالطَّیِّبُوۡنَ لِلطَّیِّبٰتِ ج ۲۴/۲۶

خبیث باتیں خبیث لوگوں کے لئے اور خبیث لوگ خبیث باتوں کو پسند کرتے ہیں۔
اور پاکیزہ باتیں پاکیزہ لوگوں کے لیے ہیں اور پاکیزہ لوگ پاکیزہ باتیں پسند کرتے ہیں۔

ناموسِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

مصنف

سکندر احمد کمال

پتہ:۔ آدم نگر، کانگلہ، پٹواری، برولی روڈ علی گڑھ

نام کتاب	ناموسِ رسول
مصنف	سکند احمد کمال۔ قصبہ چاند پور محلہ شاہ چندن ضلع بجنور
مقیم حال	پٹواری کا نگلہ آدم نگر برولی روڈ علی گڑھ
سن طباعت	۲۰۰۲ء جنوری
صفحات	۱۴۴
قیمت	۶۰ روپے

ملنے کا پتہ:۔ ایجوکیشنل بک ہاؤس شمشاد مارکیٹ

اردو بک ہاؤس علی گڑھ

دہلی میں ملنے کا پتہ:۔ اسلامک پبلی کیشنز۔520، ٹیا محل، جامع مسجد، دہلی

فون: 3545279

دیگر تصانیف

(۱) کیا حسین خواب ہے یہ مگر تعبیر؟

(۲) قانونِ الٰہی یا انسان؟

(۳) اطعو اللہ واطعو الرسول؟

(۴) ذکر انبیاء علیہم السلام

نوٹ: کتاب میں آیت لکھنے کا طریقہ۔ سورہ/آیت مثلاً اگر سورۂ بقرہ کی آیت ۵۰ لکھنی ہے تو سورہ کا نمبر ۲ ہے اسلئے ۲/۵۰ لکھا ہے یا آل عمران کی آیت ۴۶ لکھی ہے تو اس کو ۳/۴۶ لکھا ہے کیوں کہ آل عمران نمبر ۳ پر لکھی ہے۔

فہرست مضامین

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

انتساب

میں اس کتاب کو دادا مرحوم جناب عبداللہ کمال صاحب کے نام کرتا ہوں۔

جن کی دعاؤں اور تمناؤں کا یہ نتیجہ ہے کہ میں قرآن کی روشنی میں کچھ لکھ رہا ہوں۔ جب میں چھوٹا تھا تو دادا مرحوم جب رات کے وقت چارپائی پر لیٹ کر حقہ پیا کرتے تھے تو میں ان کے ہاتھ پیر دبایا کرتا تھا۔ اس وقت وہ بڑے پیار بھرے لہجہ میں کہا کرتے تھے کہ میں اپنے بیٹا کو قرآن پڑھاؤں گا اور یہ اس کا ثواب میرے مرنے کے بعد مجھے پہنچایا کرے گا۔ اس وقت یہ الفاظ میرے لئے اس کہانی سے زیادہ کچھ نہ تھے جو خاندان کے بزرگ اپنے چھوٹے بچوں کو رات کے وقت سنایا کرتے تھے مگر اب تو یہ بھی ختم ہو گیا۔

مگر یہ الفاظ برابر میرے کانوں میں گونجتے رہے اور عمر کے ساتھ ساتھ یہ شوق بھی بڑھتا رہا کہ قرآن کو قرآن کی طرح پڑھا جائے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ میں نے قرآن کی روشنی میں لکھنا شروع کیا۔ اور یہ کاوش بھی اسی تناظر میں ہے۔ اور ان کی دعاؤں کا ہی نتیجہ ہے کہ مجھے آج قرآن اور اسلام دنیا و مافیہا سب سے زیادہ عزیز ہے۔ اللہ سے دعا ہے کہ دادا مرحوم کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے۔ آمین۔

سکندر احمد کمال

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

دیباچہ

عام لوگ یہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ صیہونیت اور نصرانیت یعنی یہودیت اور عیسائیت کے علم بردار روزِ اوّل سے ہی اسلام اور پیغمبرِ اسلام کے ساتھ دشمنی اور عناد کا رویہ قائم رکھے ہوئے ہیں۔ یہ اسلام کی عیب جوئی کرنے اور نبی کریمؐ کے کردار اور سیرت پر حرف گیری کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ یوروپین مستشرقین نے جن میں زیادہ تر عیسائی ہیں، انتھک محنت کر کے اور طویل وقت صرف کر کے اسلام، اسلامی تاریخ، قرآن، اسلامی روایات، نبیؐ کی سیرت و کردار پر بڑی گہرائی کے ساتھ تحقیق اور ریسرچ کی ہے اور بڑی بڑی ضخیم کتابیں تصنیف کی ہیں جن کی اشاعت پر زرِ کثیر صرف کیا گیا ہے۔ لیکن افسوس کہ ان کی اس تحقیق اور ریسرچ پر ان کی اسلام سے ازلی دشمنی کا جذبہ حاوی رہا ہے اور انہوں نے تعصب کی عینک سے ہر چیز کو دیکھا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ان کی تصانیف اسلام اور پیغمبرِ اسلام کی تنقید و تنقیص سے بھری پڑی ہیں۔ سر سید علیہ الرحمہ اور دوسرے صاحب حمیت علماء نے ان مستشرقین کے اعتراضات، تنقید اور تنقیص کے مسکت اور مدلل انداز میں جوابات دئے ہیں، جو بہت ہی قابلِ قدر ہیں۔

آج کے دور میں ذرائع ابلاغ اور نشر و اشاعت، ریڈیو اور ٹیلی وژن پر یہودیوں کا قبضہ ہے اور عیسائی ان کے معاون و مددگار ہیں۔ مغربی طاقتیں بالخصوص امریکہ پوری دنیا پر حاوی ہیں، وہ بے پناہ فوجی طاقت کے مالک ہیں، سیاسی اور معاشی اعتبار سے تمام اقوام عالم ان کے تابع ہیں، اقوام متحدہ ان کی زرخرید کنیز ہے۔ اس کے برعکس مسلم ممالک اور حکومتیں اپنی کثرت تعداد اور قدرتی وسائل سے مالا مال ہونے کے باوجود سیاسی طور پر بے بس نظر آتے ہیں، ان کی فوجی طاقت صفر کے برابر ہے، وہ اندرونی اختلافات کا شکار ہیں جس کے سبب وہ قطعی بے اثر ہیں۔ ان حالات میں یہودیوں اور عیسائیوں کو کھُل کھیلنے کا موقع میسر آ گیا ہے، وہ اسلام کے خلاف پروپیگنڈا میں مصروف ہیں، ان کے نزدیک

تعزیراتِ اسلامی انسانی اقدار کے خلاف ہے، وہ قرآن کے مقرر کردہ تعداد ازواج کو غیر اخلاقی فعل قرار دیتے ہیں۔ نبی کریمؐ کی سیرت و کردار کے بارے میں شکوک و شبہات پھیلاتے ہیں، اپنے رسائل و جرائد میں ان کی فرضی تصاویر شائع کرتے ہیں غرضکہ اہانتِ رسولؐ کا ارتکاب کرنے میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھتے۔

ابھی چند برس پہلے بدنامِ زمانہ مصنف سلمان رشدی کی کتاب ''شیطانی آیات'' شائع ہوئی۔ چونکہ مصنف کا نام مسلمانوں جیسا ہے اس لئے یہودی اور عیسائی دنیا نے اس کتاب کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور اس کی خوب پزیرائی کی۔ اس کتاب نے حاملین یہودیت اور عیسائیت کے لیے بے حد مرغوب غذا فراہم کی ہے، کیونکہ اس میں قرآنی آیات کا مذاق اُڑایا گیا ہے اور پیغمبرؐ کی سیرت اور ذات پر ناروا رکیک حملے کئے گئے ہیں۔ ضرورت اس امر کی تھی کہ کوئی مسلمان صاحبِ قلم اٹھتا اور مذکورہ کتاب کا مدلل اور مسکت جواب تحریر کرتا اور کوئی مسلمان ادارہ یا حکومت اس جواب کو جملہ ذرائع ابلاغ استعمال کر کے پوری دنیا میں شائع کراتی۔ لیکن افسوس ایسا نہیں ہوا۔ اس معاملہ میں مسلمان حکومتوں سے بڑی چوک ہوئی۔ انہوں نے اس مذکورہ کتاب پر پابندی لگا دی اور اُدھر ایران کے مذہبی پیشوا علامہ آیت اللہ خمینی نے سلمان رشدی کے خلاف موت کا فتویٰ صادر کر دیا۔ اس طرح سلمان رشدی کی اس شرارت آمیز تصنیف کو بے انتہا شہرت ملی۔ یہودیوں اور عیسائیوں نے اس کتاب کی بڑے پیمانے پر تشہیر کی۔ دنیا کی مختلف زبانوں میں اس کے ترجمے شائع ہوئے۔ جس کے نتیجہ میں سلمان رشدی دنیا کے امیر ترین لوگوں میں سے ایک ہو گیا۔

حکومت برطانیہ اس کی حفاظت پر لاکھوں پونڈ سالانہ صرف کر رہی ہے۔ انگریزی کے مشہور انشاء پرداز سردار خشونت سنگھ نے گذشتہ دنوں انگریزی روزنامہ ہندوستان ٹائمز کے ہفتہ وار کالم میں لکھا ہے کہ سلمان رشدی کی کتاب ''شیطانی آیات'' محض ایک بکواس ہے اور قطعی پڑھنے کے لائق نہیں ہے۔ اگر مسلمان اس کتاب کے خلاف واویلا نہ مچاتے اور مسلمان حکومتیں اس کی فروخت اور اشاعت پر پابندی نہ لگاتیں نیز علاّمہ آیت اللہ خمینی اس کتاب کے مصنف سلمان رشدی کے خلاف موت کا فتویٰ صادر نہ کرتے

تو اس کتاب کو کوئی پڑھنے والا بھی پیدا نہ ہوتا اور یہ کتاب کچھ دنوں بعد ردّی میں بکتی پھرتی۔

میں سردار خشونت سنگھ کے خیالات اور رائے سے متفق ہوں۔

اسلام اور قرآن نے حضرت محمدؐ سے پہلے جو نبی آئے ہیں ان کو تسلیم کیا ہے۔ حضرت موسیٰؑ، داؤدؑ اور عیسیٰؑ اور دیگر انبیاء کو انبیاء برحق مانا ہے اور ان پر نازل ہونے والی کتب توریت، زبور اور انجیل کو آسمانی کتب ہونے کی تصدیق کی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ یہودی اور عیسائیوں نے تحریفات کر کے ان کتب کی ہیئت کو ہی بدل ڈالا ہے۔ قرآن کا عیسائیت پر عظیم احسان ہے۔ یہودی اور عیسائیوں نے حضرت مریم کی سیرت اور کردار پر جو داغ اور دھبے لگا دئے تھے، قرآن نے ان داغ اور دھبوں کو دھوڈالا اور ببانگ دُھل دوٹوک الفاظ میں ان کے کردار کو تمام شکوک شبہات سے بالاتر، باعصمت، باعفت، اور پاک دامن ہونے کا اعلان کر دیا۔ افسوس کہ عیسائی قرآن کے اس احسان کا بدلہ احسان فراموشی ہی نہیں بلکہ محسن کشی کر کے دے رہے ہیں۔

یہودی اور عیسائیوں کو سلمان رشدی کی اصل حیثیت کو پہچاننا چاہئے۔ وہ ایک لغو اور بہتان تراش شخص ہے، اس کی فکر اور سوچ نہایت پست ہے۔ بقول سردار خشونت سنگھ اس کی کتاب غیر معیاری، زبان کے اعتبار سے گھٹیا، محض بکواس اور انشاء کے عنصر سے خالی ہے۔ پس ایسے شخص کی حمایت، رذالت نوازی اور کمینہ پروری کے سوا کچھ نہیں۔

اب میں ایک تلخ حقیقت کی طرف آتا ہوں۔ مسلمانوں کی کتب تواریخ، احادیث اور تفاسیر میں بہت سے ایسے واقعات اور روایات کو رسولؐ کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے جو رسولؐ کے بلند و بالا اور اعلیٰ وارفع مقام کے منافی ہیں نیز شان رسالت کو مجروح کرتے ہیں، ان کے خاندان کی عظمت پر حرف آتا ہے اور ان کے ازدواجی حالات کی طرف سوالیہ نشان لگتے ہیں۔ اس طرح کی روایات اور واقعات صدیوں سے کتب در کتب نقل اور بیان ہوتے چلے آرہے ہیں جس کے سبب سادہ لوح مسلمانوں کی نظروں میں ان روایات و واقعات نے حقیقت کا روپ دھارن کر لیا ہے۔ اگر کوئی صاحب غیرت وحمیت شخص ان روایات و واقعات سے انکار کرتا ہے تو اس پر ارتداد، بے دینی اور کفر کے فتاویٰ جڑ

دئے جاتے ہیں۔

اسی ڈر اور خوف کے تحت بہت سے علماء اور اصحاب قلم اس موضوع پر قلم اٹھانے سے گریز کرتے ہیں۔ افسوس یہ ہے کہ انہیں احادیث، روایات اور واقعات کو دشمنان اسلام نے اپنی تصنیفات کی بنیاد بنایا ہے۔

ایک حقیقت کو ہمیں اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ جملہ احادیث، روایات اور واقعات کی سچائی کو جانچنے اور پرکھنے کے لئے معیار اور کسوٹی صرف قرآن اور صرف قرآن ہے۔ آج کے دور میں جتنی بھی دینوی حکومتیں قائم ہیں، ملکی نظام کو چلانے کے لئے ہر ملک کا اپنا ایک دستور ہے اور وہ حکومتیں اسی دستور کے رہنما اصولوں کے تحت رہتے ہوئے مختلف قوانین وضع کرتی ہیں۔ اگر کوئی قانون ملکی دستور کے بنیادی اصولوں کے خلاف ہوتا ہے تو عدالتیں اس کو غیر دستوری قرار دیتے ہوئے رد کر دیتی ہیں۔ قرآن اللہ کی نازل کردہ آسمانی کتاب ہے وہ بدرجہ اولیٰ اسلام کا دستور ہے۔ لہذا ہمیں جملہ احادیث و روایات اور واقعات کو قرآن کی فراہم کردہ کسوٹی پر پرکھنا ہوگا، اگر کوئی بھی حدیث، روایت یا واقعہ قرآنی نصوص، اس کے بنیادی اور رہنما اصولوں اور تعلیمات سے متصادم ہوتی ہے تو اس طرح کی حدیث، روایت اور واقعہ قابل رد قرار پائیگا اور اس سے انکار کرنا ہوگا۔

اس ضمن میں قرآنی تعلیمات کی روشنی میں سنجیدہ کوششوں اور گہری ریسرچ و تحقیق کی ضرورت ہے۔ ہمیں ان تمام دھندلکوں اور گرد و غبار کو چھانٹنا ہوگا جن سے ناموس رسولؐ اور شانِ رسالت پر حرف آتا ہے۔

ناموس رسولؐ کا معاملہ بہت نازک ہے اور یہ راہ بہت کٹھن ہے۔ اس راہ میں قدم بڑھانا اور کچھ لکھنا بال سے زیادہ باریک اور تیز دودھاری تلوار پر چلنے کے مترادف ہے۔ ذرا سی چوک سے صاحب قلم کی دنیا اور آخرت دونوں ہی خراب ہونے کا ڈر ہے۔ لیکن ناموس رسولؐ اور شان رسالت کے اعزاز کی حفاظت کی ذمہ داری مسلمانوں پر لازم اور فرض ہے۔ اسی مقصد کے تحت میں نے اپنے عزیز دوست سکندر احمد کمال چاند پوری ثم علیگ سے گذارش کی تھی کہ وہ اس موضوع پر قلم اٹھائیں اور ناموسِ رسولؐ کے عنوان سے

ایک مختصر مگر جامع کتابچہ تصنیف کریں جس میں ان تمام احادیث، روایات اور واقعات کا جائزہ لیں اور قرآن کے بنیادی و رہنما اصولوں کی روشنی میں ان کی حقیقت کو پرکھیں جو ناموسِ رسول اور شانِ رسالت کے اعزاز کے منافی ہیں۔ اسی مقصد اور جذبے کے تحت عزیزی سکندر احمد کمال چاند پوری ثم علیگ نے دن رات کی محنت و کاوش اور عرق ریزی سے یہ کتاب ''ناموس رسول'' کے عنوان سے مرتب کی جو قارئین کرام کے مطالعہ کے لئے پیش کی جارہی ہے۔

قارئین کرام سے میری گذارش ہے کہ وہ یہ دیکھنے کی کوشش نہ کریں کہ مرتب کا سر کس دستار فضیلت سے مزین ہے، یا کہ اس کے پاس کس مقتدر دینی درسگاہ کی سند ہے، بلکہ یہ دیکھیں کہ زیر نظر کتاب حفظِ ناموسِ رسولؐ اور حفظِ اعزازِ شانِ رسالت کا حق ادا کرنے میں کس حد تک کامیاب ہے، کتاب کا متن قرآنی تعلیمات کی روشنی میں کیا مقام رکھتا ہے، جن احادیث، روایات اور واقعات کی صحت سے انکار کیا گیا ہے، کیا وہ درست ہے۔ میں چاہوں گا کہ قارئین حضرات قدیم روایات کو چھوڑ کر اور تعصب کی عینک الگ رکھ کر اس کتاب کا مطالعہ کریں انشاء اللہ وہ اسے مفید اور کارآمد پائیں گے۔ میرے نزدیک مرتب نے موضوع کا حق ادا کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں اس سعی بلیغ کے لئے اجر وثواب عطا کرے۔ آمین ثم آمین۔

بندو خان

آزاد نگر۔ دودپور روڈ، علی گڑھ

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیم

عرض حال

اَلحَمدُ لِلّٰہِ رَبِّ العٰلَمِینَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلامُ عَلٰی مُحَمَّدٍ خَاتَمِ النَّبِیِّنَ وَاَصحَابِہٖ اَجمَعِینَ. امابعد

دین اسلام کی واقفیت کے لئے ضروری ہے کہ قرآن کو دیکھا جائے۔ اور قرآن کے مطالعہ کے لیے ضروری کردیا گیا ہے کہ اسکا جو مطلب حدیث اور شانِ نزول مقرر کردے، بس وہی ٹھیک ہے۔ قرآن کے الفاظ سے مطلب لینا گمراہی بتلایا گیا ہے۔ اس اصول کے تحت ہی تقریباً ہر شخص مطالعہ شروع کرتا ہے۔ میں نے بھی یہی طریقہ اختیار کیا۔ مگر اس اصول نے میرے اعتماد کو مجروح کیا۔ اس لئے کہ جو ماخذ سامنے آیا اس میں اکثر انبیاء کرام، محمدؐ ازواج مطہرات اور صحابہ کرام کے متعلق غلط باتیں سامنے آئیں۔ اور تقریباً ہر ذی علم شخص جو غیر جانبدار ہوگا اس نتیجے پر ہی پہنچے گا۔ لیکن میرے اپنے اعتماد کے مطابق ان حضرات کی تعریف وتوصیف قرآن بڑے شاندار الفاظ میں کررہا ہے۔ اس لئے میں نے دوبارہ قرآن کا مطالعہ دوسرے اصول کے تحت کیا۔ اس اصول کو اپنانے میں حدیث اور قرآن کی آیات نے ترغیب دی، مثلاً (۱) حضور کی وفات کے بعد ایک شخص نے حضرت عائشہؓ سے معلوم کیا کہ حضورؐ کا عمل و اخلاق کیا تھا؟ تو عائشہؓ نے قرآن پیش کردیا کہ اس کو پڑھ لے۔ یہی حضورؐ کا عمل اور اخلاق تھا۔ (۲) قرآن حضورؐ اپنی خواہش نفس سے نہیں بولتے، یہ وہ بولتے اور کرتے ہیں جو ان پر وحی آتی ہے۔

اس آیت اور حدیث کے تحت میں نے پھر قرآن کا مطالعہ کیا تو میرے سامنے جملہ انبیاء کرام بشمول محمدؐ، ازواج مطہرات اور صحابہ کرام کی تصویر ایسی آئی جیسے چمکتا ہوا چودھویں کا چاند، اور میرا اعتماد بحال ہوگیا۔ اس کے بعد میں نے اپنا مطالعہ علماء کرام کے سامنے پیش کیا تو ان کا مشورہ یہ رہا کہ اس طرح قرآن کو مت دیکھو، ورنہ گمراہ ہوجاؤ گے اور ان جھگڑوں میں نہ پڑو۔ اختلافی مسائل نہ اُٹھاؤ، اور جو سابقہ بزرگ لکھ گئے ہیں ان کے

خلاف کچھ نہ کہو۔ وہ حضرات جو لکھ گئے ہیں وہ ٹھیک ہے، چونکہ وہ لوگ جاہل نہ تھے انہوں نے عقل سے کام لے کر ہی تراجم، تفاسیر اور احادیث لکھی ہیں بس تم اللہ اللہ کرو نماز پڑھو، جو بزرگ لکھ گئے ہیں اس پر عمل کرو اپنی عقل سے کام مت لو۔ ان کا جواب میری سمجھ میں نہیں آیا۔

گویا جو اختلافی سرطان ہمارے اندر پنپ رہا ہے اس کو دور کرنے کی کوشش نہ کرو، اس کو چھپا دو یا اس کا دفاع کرو۔ لیکن اس سرطان کو چھپانے سے تو بڑا نقصان ہے ہر شخص جانتا ہے کہ اس کے زہر سے انسان کی موت ہو جاتی ہے۔ یہی انجام اختلاف میں ہوتا ہے۔ ہو رہا ہے۔ اس لئے سب سے پہلے ہم کو اپنے اختلافات ختم کرنے کی کوشش کرنی پڑے گی۔ اور جو مسائل قرآن کے خلاف عمل میں آ رہے ہیں ان کو ختم کرنا پڑے گا۔

اس مطالعہ سے ایک بات یہ سامنے آئی کہ مستشرقین جو کتابیں حضورؐ اور صحابہ کرام وازواج مطہرات کے بارے میں لکھتے رہے ہیں جس سے ان حضرات کی شان مجروح ہوتی ہے ان کا ماخذ یہی ہے۔ یہ دیکھ کر یقین پختہ ہو گیا کہ پہلے نمبر پر قرآن کو قرآن سے دیکھنا ہی کامیابی کی کلید ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ قرآن پر عمل کرنے والا شخص یا قوم ہر جگہ ہر وقت غالب اور کامیاب رہتی ہے، مغلوب نہیں ہوتی۔ یہ الگ بات ہے کہ کبھی کوئی ٹھوکر لگ جائے، مگر وہ بھی کسی عمل میں کوتاہی کا نتیجہ ہوتا ہے۔ زمانہ شاہد ہے، جیسے آگ کا کام جلانا ہے، اس میں جو بھی چیز رکھی جائے جس میں جلنے کی صفت ہو جل جائے گی۔ اگر نہیں جلتی تو غور کرنا پڑے گا کہ کہیں آگ میں تو کمی نہیں ہے، یا وہ چیز تو ایسی نہیں جس میں جلنے کی صفت نہ ہو۔ اس غور سے جو حقیقت ہے وہ سامنے آتی ہے۔

قرآن کہتا ہے کہ میرا ماننے والا غالب رہتا ہے، لیکن آج قرآن کے ماننے والے ہر جگہ ذلیل وخوار ہیں، قرآن کا ماننے والا اللہ کے علاوہ کسی اور کا ذمی نہیں رہ سکتا ہے۔ لیکن یہ قوم آج نہ غالب ہے اور نہ ہی غیر کی غلامی سے آزاد۔ تو جس طرح آگ کے بارے میں غور کرنے سے حقیقت سامنے آ گئی ایسے ہی اس مسئلے میں سامنے آنی ہے۔ وہ یہ کہ ہم جس اسلام پر عمل کر رہے ہیں کیا وہ قرآن کے مطابق ہے؟ اگر ہے تو پھر کیا وجہ ہے

کہ ہم مغلوب ہیں؟ کیا ہمارے عمل کرنے میں کوتاہی ہے؟ عمل تو ہم خوب کر رہے ہیں نماز، روزہ، حج، دُعا، زکوٰۃ، تلاوت قرآن گویا جملہ ارکان۔ اور اس زمانہ میں جتنا قرآن پڑھا جا رہا ہے اتنا اور کوئی کتاب نہیں پڑھی جا رہی ہے تو ظاہر ہوا کہ ہمارے سامنے جو اسلام ہے وہ۔ وہ اسلام نہیں جو قرآن میں ہے اور اس کا سب سے بڑا سبب اختلاف امّت ہے، جس اختلاف سے ہر شخص صرف نظر کرنا چاہتا ہے، اور اس اختلاف کو رحمت بتلاتا ہے۔ مگر قرآن اتحاد کی تلقین کرتا ہے۔ اس اتحاد پر ہی اللہ کی نصرت آتی ہے۔ اختلاف کو اللہ اور رسول نے شرک بتلایا ہے۔ ہوا اکھڑنے کے مترادف ہے۔ مشرک کی نہ تو مدد ہوتی ہے۔ اور نہ بخشش۔

اتنا جان لینے کے بعد میں نے اپنی بات خواص وعوام تک پہنچانے کے لئے چند کتابیں لکھیں (۱) کیا حسین خواب ہے یہ مگر تعبیر؟ (۲) قانون الٰہی یا انسانی؟ (۳) اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول؟ (۴) ذکر انبیاء۔ ان کو پڑھنے کے بعد ملا جلا ردعمل سامنے آیا۔ خواص نے ان کو دیکھ کر عادت کے مطابق ناک بھوں چڑھائی ترش رو ہوئے، قابل توجہ نہ سمجھا، کیونکہ یہ حضرات پہلے یہ دیکھتے ہیں کہ لکھنے والا کون ہے اور کس بزرگ کی شان میں لکھا ہے اور مصنف کا مسلک کیا ہے۔ یہ نہیں دیکھتے کہ کیا لکھا ہے۔ مگر عوام نے میری ہمت افزائی کی زبانی بھی اور مالی بھی۔ اللہ ان کی اس مدد کو قبول فرمائے دنیا میں ترقی دے اور آخرت میں اپنی رحمت سے نوازے۔ مگر سکہ تو خواص کا چل رہا ہے۔

فی زمانہ مصنفین ومولفین ومترجمین نے اپنی تصنیفات کو مقبول عام بنانے کا ایک آسان طریقہ تلاش کر لیا ہے۔ یہ جب کوئی کتاب لکھنا چاہتے ہیں یا کسی پہلی کتاب عربی یا فارسی کا ترجمہ علاقائی زبان میں کرنا چاہتے ہیں، تو پہلے یہ جائزہ لیتے ہیں کہ کس بزرگ مرحوم یا حیات کے ماننے والے کتنے ہیں ان کی مالی حالت کیسی ہے۔ جس کو سب سے اچھا جانتے ہیں اس کی شان میں کتاب لکھتے ہیں اور ان بزرگوں کو کوہ ہمالیہ سے بھی بلند تر بنا کر پیش کرتے ہیں۔ اور ہر ممکن کوشش کرتے ہیں کہ کوئی اختلافی مسئلہ کتاب میں درج نہ ہو جائے۔ یا اگر اختلافی کتاب لکھتے ہیں تو ایک مسلک والا دوسرے مسلک پر سخت تنقیدی

کتاب لکھتا ہے۔ اور اس طرز عمل سے کتاب مقبول عام ہوتی ہے، اور جو ان کا اصل منشاء ہوتا ہے وہ بھی حاصل ہوتا ہے، یعنی عزت اور طلب زر۔ ان کو یہ فکر نہیں کہ اس قوم کی اس خراب حالت کو تبدیل کیسے کیا جا سکتا ہے، یہ سوچ کر اس خراب حالت کو ٹھیک کرنے پر کام کریں اختلافات کو ختم کریں۔ مگر اس طرح کام کرنے میں ان کو یہ خوف ہے کہ ہم کو تنقید کا نشانہ بنایا جائیگا، مخالفت ہوگی، نفع بھی نہ ہوگا اور جہاں ملازمت کر رہے ہیں وہاں سے بھی الگ کردئے جائیں گے۔

اس طرز کے خلاف میں نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ قوم کے اندر جو خرابی آگئی ہے اس کو سامنے لایا جائے، اور اس کا حل پیش کیا جائے۔ مگر یہ طریقہ فی الحال قوم کو پسند نہیں آرہا۔ قوم اپنی کمی کو سننے اور جاننے کے لئے تیار نہیں ہے۔ اس کو دینوی امور سے ہی فرصت نہیں ہے۔

اسی دوران میری ملاقات جناب بندو خان صاحب علیگ سے ہوگئی ان کو بھی کتابیں پیش کیں زبانی گفتگو ہوتی رہتی ہے۔ دوران گفتگو تذکرہ دشمن رسولؐ سلمان رشدی کی کتاب شیطانی آیات کا آگیا، جس میں دل کھول کر شانِ رسولؐ کو مجروح کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکا؟ کیونکہ شانِ رسول کچھ اور ہے جس کو اس نے اصل مآخذ سے دیکھنے کی کوشش نہیں کی یا اس تک اس کی رسائی نہ ہو سکی۔ اس نے غلط مآخذ سے اپنی عمارت تعمیر کرلی، جو پانی کا بلبلا ثابت ہوئی۔ عقل مند وہ ہوتا ہے جو کچھ بولنے یا لکھنے یا کرنے سے پہلے خوب غور و فکر کرتا ہے اصل کتاب کو پڑھتا ہے تب کہیں کچھ لکھتا ہے اگر بغیر تحقیق کے لکھتا بولتا ہے تو اس کا حشر خراب ہوتا ہے جیسا رشدی کا ہو رہا ہے اس لئے اس کو بھی پہلے تحقیق کرنا چاہئے تھی۔

اس گفتگو میں موصوف نے مجھے توجہ دلائی کہ ایک کتاب ناموس رسول پر لکھی جائے کہ جس میں ان باتوں کا قرآن سے مدلل جواب ہو۔ میں نے اس بات پر غور کیا تو سامنے یہ بات آئی کہ یہ کام بڑا مشکل ہے، ناممکن نہیں؟ کیونکہ ایک اصول ہے، اگر کوئی عمارت بوسیدہ ہوگئی ہے بنیادیں کھوکھلی ہوگئی ہیں۔ اگر اس حالت میں کوئی اس کی مرمت

کر کے استعمال میں لانا چاہے تو خطرہ رہتا ہے۔ اس لئے اس خطرے سے بچنے کیلئے اس پرانی عمارت کو توڑ کر نئی عمارت تعمیر کی جانی چاہئے اور جدید تعمیر میں اس پرانے ملبے کو بھی استعمال میں لایا جا سکتا ہے جو اچھا ہو۔

ہر تعمیر جدید کیلئے شکست و ریخت ضروری ہے، لیکن اس شکست و ریخت میں سب سے پہلے وہی لوگ مخالفت کرتے ہیں جو اس بوسیدہ عمارت میں رہتے ہیں، چونکہ ان کو اس عمارت سے محبت ہوتی ہے، ان کو خطرات کا علم نہیں ہوتا۔ یا خطرات سے بے خبر رکھے جاتے ہیں۔ اور ان مکینوں کا حملہ بہت سخت اور خطرناک ہوتا ہے۔ جیسے ایک پتھر بہت دنوں سے ایک جگہ پڑا رہتا ہے تو اس کے نیچے بہت سے حشرات الارض پناہ لے لیتے ہیں اور جب اس پتھر کو اٹھایا جاتا ہے تو وہ حشرات الارض بڑی تیزی سے ظاہر ہوتے ہیں۔ اور ایسا لگتا ہے جیسے وہ جلد حملہ کرنے والے ہیں۔ لیکن جلد ہی وہ اپنی نئی جگہ دیکھ کر غائب ہو جاتے ہیں اور وہ جگہ صاف ہو جاتی ہے۔

ان سب باتوں کو سامنے رکھ کر میں نے خطرہ محسوس کیا تاہم غور و فکر کے بعد اس نتیجے پر پہونچا کہ یہ کام کرنا ضروری ہے چاہے کتنے بھی خطرات سامنے آئیں۔ قوم کبھی تو غور کرے گی۔ اللہ میری مدد کریگا۔ اس غور و فکر کے بعد اللہ کے بھروسے پر قلم اٹھایا اس عزم کے ساتھ کہ ان پاکیزہ نفوس کی وہ بے داغ تصویر پیش کروں گا جو قرآن میں درج ہے، جو ان کی شان کے مطابق ہے۔

اِذ (اس لئے) قرآن کی روشنی میں ایک مسودہ ناموس رسولؐ کا لکھ کر محترم مربی جناب بندو خاں صاحب کی خدمت میں پیش کیا۔ موصوف نے اس کو پڑھا، اور اس کے اندر اتنا قیمتی حذف و اضافہ کیا جس نے کتاب کو پڑھنے کے لائق بنادیا۔ اور کتاب پر ایک جامع دیباچہ لکھا جس کی جتنی تعریف کی جائے وہ کم ہے گویا کتاب کو چار چاند لگا دئے۔ حقیقت یہ ہے کہ دیباچہ پڑھتے ہی ایک ذی علم شخص پوری کتاب پڑھنے پر مجبور ہوگا۔ اور مالی اعانت بھی موصوف کی ہی ہے۔ میں اس اعانت، رہبری، کتاب کی تصحیح اور دیباچہ پر بصمیمِ قلب ممنون و مشکور ہوں اور دُعا گو ہوں کہ حضرت کا سایہ عاطفت اچھی صحت کے

ساتھ تا دیر قائم رہے۔ اللہ تعالیٰ موصوف کو دنیا اور آخرت میں اپنے خاص انعامات سے نوازے، اور میرے قلم سے کوئی غلط بات نہ لکھی جائے۔ آمین۔

تاریخ ۱۰ر رمضان المبارک ۱۴۲۲ھ

۲۶ر نومبر ۲۰۰۱ء

احقر

سکندر احمد کمال

(۱) آدم نگر نگلہ پٹواری برولی روڈ،

علی گڑھ۔ فون: 700685

(۲) چاند پور محلہ شاہ چندن ضلع بجنور

پن چاند پور۔ 246725

بِسمِ اللہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیم

''ضروری گذارش

تاریخ شاہد ہے کہ زمانہ قدیم سے ہی نسل انسانی میں دو گروہوں کی نشان دہی ہوتی ہے (۱) شریف (۲) شریر۔ ان دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ تقریباً ان کے ہر کام کی نوعیت جداگانہ ہے۔ یعنی جملہ معاملات۔ معشیت، معاشرت، لین دین، نشست برخاست، شادی، وغیرہ۔ اگر کبھی بھولے سے کوئی ربط ہو جاتا ہے تو جلد ہی نزاع ہو جانا یقینی ہے۔ خاص طور سے جب شادی کرنا ہوتی ہے تو ہر شخص فریق ثانی کے خاندان کی شرافت کو دیکھتا ہے۔ مثلاً ننہال، ددیہال کے حالات کیسے ہیں۔ ان دونوں جگہ کوئی داغ تو نہیں، اس کی بیٹھ اٹھ کہاں کیسے لوگوں میں ہے۔ اگر کوئی داغ ہوتا ہے تو رشتہ نہیں ہوتا۔ بہت سے داغ ایسے ہوتے ہیں جو نسل در نسل خاندان کے جملہ افراد کو پریشان رکھتے ہیں اور معاشرے میں ان کی کوئی عزت نہیں ہوتی۔ اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس بدنامی کو چھپانے کے لئے ترک سکونت تک کرنی پڑتی ہے۔ اس لئے ہر شریف آدمی اپنی موجودہ اور آنے والی نسلوں کو بے عزتی سے بچانے کے لئے شریفانہ کام ہی کرتا ہے۔ اس کو ہر وقت یہ خیال رہتا ہے کہ میرا ہر کام اللہ کے حکم کے مطابق ہو، جس کا حکم اللہ نے اپنے کلام پاک میں دیا ہے۔

سورۂ انعام آیت ۱۵۱۔ تو کہہ تم آؤ میں سنا دوں جو حرام کیا ہے تم پر تمہارے رب نے کہ شریک نہ کرو اس کے ساتھ کسی چیز کو اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرو اور مار نہ ڈالو اپنی اولاد کو مفلسی سے ہم رزق دیتے ہیں تم کو اور ان کو، اور پاس نہ جاؤ بے حیائی کے کام کے جو ظاہر ہو اس میں سے اور جو پوشیدہ ہو۔ اور مار نہ ڈالو اس جان کو جس کو حرام کیا ہے اللہ نے مگر حق پر، تم کو یہ حکم کیا ہے تا کہ تم سمجھو۔

۱۵۲:۔ اور پاس نہ جاؤ یتیم کے مال کے مگر اس طرح کہ بہتر ہو۔ یہاں تک کہ پہنچ جائے اپنی جوانی کو۔ اور پورا کرو ناپ تول کو انصاف سے، ہم کسی کے ذمہ وہی چیز لازم کرتے ہیں جس کی اس کو طاقت ہو۔ اور جب بات کہو تو حق کی کہو۔ اگر چہ وہ اپنا قریب ہی ہو۔ اور اللہ کا عہد پورا کرو۔ تم کو یہ حکم کر دیا ہے تا کہ تم نصیحت پکڑو۔

۱۵۳:۔ اور حکم کیا کہ یہ راہ ہے میری سیدھی سو اس پر چلو اور مت چلو اور رستوں پر کہ وہ تم کو جدا کردیں گے اللہ کے راستہ سے، یہ حکم کردیا تم کو تا کہ تم بچتے رہو۔ یہ رہا ہر شریف آدمی کا کردار، اب دیکھیں کہ اللہ کے آخری رسولؐ اور بانی اسلام حضرت محمدؐ کے بارے میں قرآن کیا کہتا ہے۔

سورۂ یونس آیت ۱۵: اور جب پڑھی جاتی ہیں ان کے سامنے آیتیں ہماری واضح کہتے ہیں وہ لوگ، جن کو امید نہیں ہم سے ملاقات کی، لے آ کوئی قرآن اس کے سوا یا اس کو بدل ڈال، تو کہہ دے میرا کام نہیں کہ اس کو بدل ڈالوں اپنی طرف سے، میں تابعداری کرتا ہوں اس کی جو حکم آئے میری طرف، میں ڈرتا ہوں اگر نافرمانی کروں اپنے رب کی بڑے دن کے عذاب سے۔

۱۶:۔ کہہ دے اگر اللہ چاہتا تو میں نہ پڑھتا اس کو تمہارے سامنے اور نہ تم کو خبر کرتا اس کی، کیونکہ میں رہ چکا ہوں تم میں ایک عمر اس سے پہلے کیا پھر تم نہیں سوچتے۔

یہ چیلنج (تحدی) ہمیشہ قائم رہے گا کیونکہ اس اعلان کرنے پر کسی کو بھی یہ ہمت نہ ہوئی کہ وہ کوئی بات حضورؐ کے بارے میں اس زمانے کی سامنے لا کر یہ کہتا کہ آپؐ نے فلاں وقت فلاں جگہ ہمارے سامنے یہ غلط بیانی کی یا کہ یہ غلط یا خلاف اخلاق کام کیا۔ کوئی بھی بڑے سے بڑا اور چھوٹے سے چھوٹا الزام نہ لگایا جا سکا۔ اس کے خلاف آپؐ کے لئے امین اور صدیق اور صاحب کا خطاب ملا جس کو ہر شخص نے قبول کیا۔ نبوت ملنے کے بعد نبی کی مخالفت تو کی گئی، مگر آپ کے کردار، اخلاق کے بارے میں کوئی انگلی نہ اٹھا سکا، کچھ دن ہوئے ہیں ایک کتاب لکھی گئی ہے، جس میں دنیا کی سو منتخب ہستیوں کا ذکر ہے، مصنف جو کہ ایک عیسائی ہے، کی نظر میں جو ہستی سب سے اعلیٰ ہیں ان میں حضورؐ کا نمبر اوّل ہے اور کیوں نہ ہو اللہ خود اس بات کی تصدیق کر رہا ہے، اور اچھے کردار کے لوگ ایسا ہی انصاف کرتے ہیں جس کا ثبوت مصنف نے دیا ہے۔

سورۂ القلم ۶۸: آیت ۴۔ وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیۡمٍ. اور بے شک تم اخلاق کے بڑے مرتبے پر ہو۔

یہ ہے وہ شان نبیؐ جس کی شہادت اللہ نے خود دی ہے۔ وقت کے بڑے سے بڑے مخالف نے بھی آپ کے اخلاق کا لوہا مانا اور نیک لوگ ہمیشہ ان کی تعریف کرتے ہوئے ان کے بتلائے ہوئے راستے پر گامزن رہے ہیں اور ہمیشہ رہیں گے۔ ایک دعا نیک افراد کی طرف سے اور پڑھ لی جائے۔

سورہ الفرقان ۲۵:۔ آیت ۷۳:۔ اور وہ لوگ کہ جب ان کو سمجھائے ان کے رب کی باتیں نہ پڑیں ان پر بہرے اندھے ہو کر (یعنی غور و فکر کرتے ہیں اور مانتے ہیں۔

۷۴:۔ اور وہ لوگ کہتے ہیں اے رب ہم کو ہماری عورتوں کی طرف سے اور اولاد کی طرف سے دے آنکھ کی ٹھنڈک اور کر ہم کو پرہیزگاروں کا پیشوا۔ آیات بالا سے رسول کریمؐ اور نیک افراد کا کردار اور اخلاق سامنے آ گیا۔ یعنی جو شریف اور نیک آدمی ہوتا ہے وہ کبھی کوئی غلط کام نہیں کرتا اور اپنی اولاد اور عورتوں سے بھی یہ اُمید رکھتا ہے کہ وہ بھی اچھے کام کریں جس سے ان کو بدنامی نہ ملے اور آنے والی نسل کو شرمندگی نہ اٹھانی پڑے۔ اس لئے نیک آدمی ہمیشہ اچھے کام کرے گا، تو پھر حضورؐ سے یہ امید کیسے کی جا سکتی ہے کہ انہوں نے نبوت ملنے کے پہلے یا بعد کوئی ایسا کام کیا ہو جس کی وجہ سے ان کی پاک بازی مجروح ہوتی ہو۔ اور امت کو شرمندگی اٹھانی پڑتی رہے۔ قرآن میں نبی کا کیا مقام ہے دیکھ لیا جائے جس کی شہادت قرآن دے رہا ہے۔

قرآن کی روشنی میں نبی کا مقام

سورہ بقرہ آیت ۲۸۵:۔ مان لیا رسول نے جو کچھ اترا اس پر اس کے رب کی طرف سے اور مسلمانوں نے بھی مانا اللہ کو اور اس کے فرشتوں کو اور اس کی کتابوں کو اور اس کے رسولوں کو کہتے ہیں کہ ہم جدا نہیں کرتے کسی کو اس کے رسولوں میں سے۔ اور کہہ اٹھے کہ ہم نے سنا اور قبول کیا، تیری بخشش چاہتے ہیں اے ہمارے رب، اور تیری ہی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

سورۂ آلِ عمران آیت ۱۵۹:۔ سو کچھ اللہ ہی کی رحمت ہے جو تو نرم دل مل گیا ان کو، اور اگر تو

ہوتا تند خو سخت دل تو متفرق ہو جاتے تیرے پاس سے، سو تو ان کو معاف کر اور ان کے واسطے
بخشش مانگ اور ان سے مشورہ لے کام میں، پھر جب قصد کر چکا تو اس کام کا تو پھر بھروسہ کر
اللہ پر، اللہ کو محبت ہے توکل والوں پر۔

عمران ۱۶۱:۔ اور نبی کا کام نہیں کہ کچھ کینہ رکھے (یا چھپا رکھے) اور جو کوئی چھپاوے گا وہ
لائے گا اپنی چھپائی چیز دن قیامت کے، پھر پورا پاویگا ہر کوئی جو اس نے کمایا اور ان پر ظلم نہ
ہو گا۔

انساء آیت ۱۰۵:۔ بے شک ہم نے اتاری تیری طرف کتاب سچی کہ تو انصاف کرے لوگوں
میں جو کچھ سمجھا دے تجھ کو اللہ اور تو مت ہو دغا بازوں کی طرف سے جھگڑنے والا۔

۱۰۶:۔ اور بخشش مانگ اللہ سے بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

المائدہ آیت ۴۹:۔ اور یہ فرمایا کہ حکم کر ان میں موافق اس کے جو اتارا اللہ نے، اور مت چل
ان کی خواہش پر اور بچتا رہ ان سے کہ تجھ کو بہکا نہ دیں کسی حکم ایسے سے جو اللہ نے اتارا تجھ پر
پھر اگر نہ مانیں تو جان لے کہ اللہ نے یہی چاہا ہے کہ پہنچا دے ان کو کچھ سزا ان کے گناہوں
کی اور لوگوں میں بہت ہیں نافرمان۔

الانعام آیت ۳۴:۔ اور جھٹلائے گئے ہیں بہت سے رسول تجھ سے پہلے پس صبر کرتے رہے
جھٹلانے اور ایذا پر، یہاں تک کہ پہنچی ان کو مدد ہماری اور کوئی نہیں بدل سکتا اللہ کی باتیں اور
تجھ کو پہنچ چکے ہیں کچھ حالات رسولوں کے۔

۳۵:۔ اور اگر تجھ پر گراں ہے ان کا منہ پھیرنا تو اگر تجھ سے ہو سکے کہ ڈھونڈ نکالے کوئی سرنگ
زمین میں یا کوئی سیڑھی آسمان میں پھر لا دے ان کے پاس ایک معجزہ اور اگر اللہ چاہتا تو جمع
کر دیتا سب کو سیدھی راہ پر، سو تو مت ہو نادانوں میں۔

۶۸:۔ اور جب تو دیکھے ان لوگوں کو یہ جھگڑتے ہیں ہماری آیتوں میں تو ان سے کنارہ کر
یہاں تک کہ مشغول ہو جاویں کسی اور بات میں اور اگر بھلا دے تجھ کو شیطان تو مت بیٹھ یاد
آنے کے بعد ظالموں کے ساتھ۔

الاعراف آیت ۲۰۳:۔ اور جب تو لے کر نہ جائے ان کے پاس کوئی نشانی (معجزہ) تو کہتے

ہیں کیوں نہ چھانٹ لایا تو کچھ اپنی طرف سے۔ تو کہہ دے میں تو چلتا ہوں اس پر جو وحی
آئے میری طرف میرے رب سے، یہ سوجھ کی باتیں ہیں تمہارے رب کی طرف سے اور
ہدایت اور رحمت ہے ان لوگوں کو جو مومن ہیں۔

الرعد آیت ۳۷:۔ اور اسی طرح اتارا ہم نے یہ کلام حکم عربی زبان میں اور اگر تو چلے ان کی
خواہش کے موافق بعد اس علم کے جو تجھ کو پہنچ چکا، کوئی نہیں تیرا اللہ سے حمایتی اور بچانے
والا۔

۳۸:۔ اور بھیج چکے ہیں ہم کتنے رسول پہلے اور ہم نے دی تھیں ان کو اولاد اور بیویاں اور نہیں
ہوا کسی رسول سے کہ وہ لے آئے کوئی نشانی مگر اللہ کے اذن سے ہر ایک وعدہ ہے لکھا ہوا۔

النمل آیت ۶۴:۔ اور ہم نے اتاری تجھ پر کتاب اسی واسطے کہ کھول کر سنا دے تو ان کو وہ چیز
جس سے وہ اختلاف کر رہے ہیں، اور سیدھی راہ سمجھانے کو اور واسطے بخشش ایمان لانے
والوں کو۔

۸۲:۔ پھر اب اگر یہ لوگ منہ موڑتے ہیں تو اے نبی تم پر صاف صاف پیغام حق پہنچا دینے
کے سوا اور کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔

بنی اسرائیل آیت ۳۸:۔ ان امور میں سے ہر ایک کا برا پہلو تیرے رب کے نزدیک نا
پسندیدہ ہے۔

۳۹:۔ یہ وہ حکمت کی باتیں ہیں جو تیرے رب نے تجھ پر وحی کی ہیں اور دیکھ اللہ کے ساتھ
دوسرا معبود نہ بنا بیٹھنا ورنہ تو جہنم میں ڈال دیا جائیگا ملامت زدہ اور ہر بھلائی سے محروم ہو کر۔

۷۳:۔ اور وہ لوگ تو چاہتے تھے کہ تجھ کو بچلا دیں اس چیز سے کہ جو وحی بھیجی ہم نے تیری
طرف تا کہ جھوٹ بنا لائے تو ہم پر وحی کے سوا۔ اور تب تو بنا لیتے تجھ کو دوست۔

۷۴:۔ اور اگر یہ نہ ہوتا کہ ہم نے تجھ کو سنبھالے رکھا تو تو لگ جاتا جھکنے ان کی طرف تھوڑا سا
(مگر چونکہ تم ہماری حفاظت میں ہو ان کی بات ماننے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

المائدہ سورہ ۶۷:۔ اے پیغمبر جو کچھ تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے وہ لوگوں
تک پہنچا دو۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اس کی پیغمبری کا حق ادا نہ کیا، اللہ تم کو لوگوں کے شیر سے

بچانے والا ہے، یقین رکھو کہ وہ کافروں کو کامیابی کی راہ ہرگز نہ دکھائے گا۔

بنی اسرائیل ۷۵:۔(اگر تم ایسا کرتے) تب تو ضرور چکھاتے ہم تجھ کو دونا مزہ زندگی میں اور دونا مرنے میں پھر نہ پاتا تو اپنے واسطے ہم پر مدد کرنے والا۔

۷۷:۔دستور چلا آتا ہے ان رسولوں کے معاملے میں جو تجھ سے پہلے بھیجے ہم نے اپنے رسول اور نہ پائے گا تو ہمارے دستور میں تفاوت۔

۹۰:۔اور بولے ہم نہ مانیں گے تیرا کہا جب تک تو نہ جاری کردے ہمارے واسطے زمین سے ایک چشمہ۔

۹۱:۔یا ہو جائے تیرے واسطے ایک باغ کھجور اور انگور کا پھر بہائے تو اس کے بیچ نہریں چلا کر۔

۹۲:۔یا گرادے آسمان ہم پر جیسا کہ تو کہا کرتا ہے ٹکڑے ٹکڑے، یا لے آ اللہ کو اور فرشتوں کو سامنے۔

۹۳:۔یا ہو جائے تیرے لئے ایک گھر سنہرا یا چڑھ جائے تو آسمان میں اور ہم نہ مانیں گے تیرے چڑھ جانے کو جب تک نہ اتار لائے ہم پر ایک کتاب جس کو ہم پڑھ لیں۔تو کہہ سبحان اللہ میں کون ہوں مگر ایک آدمی بھیجا ہوا۔

الانعام آیت ۵۲:۔اور مت دور کر ان لوگوں کو جو پکارتے ہیں اپنے رب کو صبح اور شام چاہتے ہیں اس کی رضا، تجھ پر نہیں ہے ان کے حساب میں سے کچھ اور نہ تیرے حساب میں سے ہے کچھ ان پر کہ تو ان کو دور کرنے لگے، پس ہو جاویگا تو بے انصافوں میں۔ھود آیت ۲۷:۔ جواب میں پھر بولے سردار جو کافر تھے اس کی قوم کے، ہم کو تو تو نظر نہیں آتا مگر ایک آدمی ہم جیسا، اور دیکھتے نہیں کوئی تابع ہوا ہو تیرا، مگر جو ہم میں نیچ قوم ہیں بلا تامل۔اور ہم نہیں دیکھتے تم کو اوپر اپنے کچھ بڑائی بلکہ ہم کو تو خیال ہے کہ تم سب جھوٹے ہو۔

۳۰:۔اور اے قوم کون چھڑائے مجھ کو اللہ سے اگر ان کو ہانک دوں کیا تم دھیان نہیں کرتے۔

الکھف آیت ۲۸:۔اور روکے رکھ اپنے آپ کو ان کے ساتھ جو پکارتے ہیں اپنے رب کو صبح اور شام، طالب ہیں اس کی رضا کے۔اور نہ دوڑیں تیری آنکھیں ان کو چھوڑ کر تلاش میں

رونق زندگانی دنیا کی، اور نہ کہا مان اس کا جس کا دل غافل کیا ہم نے اپنی یاد سے اور پیچھے پڑا ہوا ہے اپنی خواہش کے اور اس کا کام ہے حد پر نہ رہنا۔

طٰہٰ آیت ۱۱۴:۔پس بالا و برتر ہے اللہ بادشاہ حقیقی (اس قرآن کی تکمیل کا ایک وقت مقرر ہے) تو لوگوں کے ردو قبول سے بے نیاز ہوکر جس ترتیب سے یہ اتر رہا ہے تو لوگوں کو سناتے رہو (اس کی تکمیل کے لئے اللہ نے جو مدت مقرر کر رکھی ہے وہ اس کی حکمت اور مصلحت سے اچھی طرح واقف ہے) اس لئے اس کے پورا ہونے سے پہلے آپ اس قرآن کے نازل ہونے کے بارے میں جلدی نہ کریں، یقیناً اس کی وحی آپ پر پوری ہوگی اور دعا کرو اے رب مجھے مزید علم عطا کر۔

الفرقان آیت ۳۲:۔منکرین لوگ کہتے ہیں اس شخص پر سارا قرآن ایک ہی وقت میں کیوں نہ اُتار دیا گیا، ہاں ایسا اس لئے کیا گیا ہے کہ اس سے تمہارا دل مضبوط کریں اور ہم نے اس کو ٹھہر ٹھہرا کر پڑھ سنایا۔

۳۳:۔(اور ہاں ایسا اس لئے) اور کہ وہ کوئی کہاوت (یا بات) تمہارے پاس نہ لائیں گے (اگر لائیں گے) تو ہم حق کے ساتھ اس کا جواب دیں گے اور بہترین طریقے سے تفسیر کر دیں گے۔

بنی اسرائیل آیت ۱۰۶:۔اور ہم نے اس قرآن کو تھوڑا تھوڑا کرکے نازل کیا ہے تاکہ تم ٹھہر ٹھہر کر اسے لوگوں کو سناؤ اور اسے ہم نے بتدریج اُتارا۔

المومن آیت ۹۷:۔اور کہہ اے رب میں تیری پناہ چاہتا ہوں شیطان کی چھیڑ سے۔

۹۸:۔اور پناہ تیری چاہتا ہوں اے رب اس سے کہ میرے پاس وہ آئیں۔

الشعرا آیت ۲۱۰:۔اور اس قرآن کو نہیں لے کر اترتے شیطان۔

۲۱۱:۔اور نہ ان سے بن آئے اور نہ وہ کر سکیں۔

۲۱۲:۔ان کو تو سننے کی جگہ سے دور کر دیا گیا (۲۲۱) میں بتلاؤں تم کو کس پر اترتے ہیں شیطان (۲۲۲) اترتے ہیں ہر جھوٹے گنہگار پر (۲۲۳) لا ڈالتے ہیں سنی ہوئی بات اور بہت ہیں ان میں جھوٹے۔

سبا آیت :۔ ۴۸:۔ ان سے کہو میرا رب حق کا القا کرتا ہے اور تمام پوشیدہ حقیقتوں کا جاننے والا ہے۔

القلم آیت ۴۸:۔ اچھا اپنے رب کا حکم آنے تک صبر کرو (ہمت سے کام لو) اور مچھلی والے کی طرح (جلدی کرنے والے) نہ ہو جاؤ جب اس نے پکارا اور وہ غم سے بھرا ہوا تھا۔

الدھر آیت ۲۴:۔ سو تو انتظار کر (ہمت کے ساتھ) اپنے رب کے حکم کا اور کہنا مت مان ان میں سے کسی گنہگار کا یا ناشکر کا۔

الحاقہ آیت ۴۳:۔ یہ اتارا ہوا ہے جہاں کے رب کا۔

۴۴:۔ اور اگر بنا لاتا ہم پر کوئی بات ۴۷:۔ تو ہم پکڑ لیتے اس کا داہنا ہاتھ

۴۶:۔ پھر کاٹ ڈالتے اس کی گردن، ۴۷:۔ پھر تم میں کوئی ایسا نہیں جو اس سے بچا لے۔

المائدہ آیت ۹۲:۔ اور رسول کا ذمہ پہنچا دینا ہے کھول کر۔

۹۹:۔ اور رسول کا ذمہ نہیں صرف پہنچا دینا۔

النمل آیت ۲۵:۔ سو رسولوں کے ذمہ نہیں صرف پہنچا دینا صاف صاف۔

النمل آیت ۸۲:۔ پھر اگر پھر جائیں تو تیرا کام تو یہی ہے کھول کر سنا دینا۔

کھول کر سنانے والی قرآن میں جو اور آیات ہیں ان کا حوالہ یہ ہے

۲۴/ ۵۲، ۲۵/ ۵۶، ۲۹/ ۱۸، ۳۶/ ۱۷، ۴۲/ ۴۸

اوپر قرآن سے جو چند آیات نقل کی گئی ہیں ان کو پڑھنے کے بعد واضح طور پر یہ بات سامنے آتی ہے کہ حضورؐ کو اللہ کی طرف سے کیا احکام تھے جن پر ان کو چلنا تھا۔ حتمی طور پر یہی کہا جا سکتا ہے کہ قرآن پر خود عمل کرنا اور اس کو دوسرے انسانوں تک پہنچا دینا ہی محمدؐ کا مشن تھا جو آپ نے صدفی صد کما حقہ، انجام دیا، اس میں کسی وقت بھی کوئی کوتاہی نہیں کی اور نہ اس سے تجاوز ہی کیا، اور آپ اللہ کی حفاظت میں تھے جیسے ہر نبی ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں آپ پر کوئی داؤ یا مکر شیطان کا چل جائے سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ چونکہ نبی بنایا ہی اس کو جاتا ہے جو ہر اعتبار سے پہاڑ سے بھی زیادہ مضبوط ہو، ایک بار پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل سکتا ہے مگر نبی ؐ کے بتلائے ہوئے راستے سے نہیں ہٹتا، بھلا اللہ کے انتخاب میں کسی کمی کا کوئی

شائبہ ہے؟ اللہ کا کوئی کام عبث نہیں ہوتا، اس لئے اللہ نبوت کے لئے ایسی ہستی کو ہی منتخب کرتا ہے جو ہر طرح سے کھری ہو، اس لئے محمد بھی اسی مقام پر کھڑے نظر آتے ہیں۔

محمدؐ جو دین لائے، خود اللہ نے اس کو اسلام کا نام دیا۔ اس دین کی حقانیت سے متاثر ہو کر لوگ جوق در جوق اور گروہ در گروہ اس میں شامل ہونے لگے۔ اس وقت عربوں میں بت پرستی رائج تھی۔ لیکن ان کے چاروں طرف یہودی اور نصرانی پھیلے ہوئے تھے جو محمدؐ کی نبوت کے نہ صرف منکر تھے بلکہ جانی دشمن تھے۔

اسلام کی ترقی سے یہود و نصاریٰ دونوں ہی بہت زیادہ پریشان تھے وہ اسلام اور امت مسلمہ کو ہر طرح نقصان پہونچانے کے درپے تھے۔ انہوں نے منافقین سے، جو دینوی مصلحت کے تحت بظاہر مسلمان ہو گئے تھے لیکن دل سے اسلام اور مسلمانوں کے مخالف تھے، ساز باز کر کے اسلام کی بیخ کنی کرنے کی منصوبہ بندی کی اور اپنے اسلحہ خانے کا سب سے بڑا حربہ استعمال کیا یعنی رسول پاک کی ذات گرامی کو اپنا ہدف بنایا۔ انہوں نے نہایت خاموشی سے غیر محسوس طور پر کتب تواریخ و سیرت میں ایسی بہت سی روایات داخل کرا دیں جن سے ناموس رسول پر حرف آتا ہے اور اسی قبیل کی موضوع احادیث کا ایک بڑا ذخیرہ جمع کر دیا۔ جس میں رسولؐ اور امہات المومنین کے حوالہ سے ناروا باتیں روایت کی گئی ہیں۔ لیکن اس سلسلہ کا بے حد افسوس ناک پہلو یہ ہے کہ علماء نے دینی کتب میں، قرآن کریم کی تفاسیر میں اور قرآن کی مختلف سورتوں اور آیات کی شان نزول لکھتے وقت ان روایات کے حوالہ دئے ہیں اور صدیوں سے ان کی تکرار ہوتی چلی آ رہی ہے جس کے سبب سادہ لوح مسلم عوام انہیں سچ سمجھنے پر مجبور ہیں۔ اگر کوئی اللہ کا بندہ چھان پھٹک، محنت، کاوش، دیدہ ریزی، جانچ اور جستجو کے بعد اس طرح کی روایات کی نفی کرتا ہے تو اس کو نہ صرف لتے چھڑانے بھاری ہو جاتے ہیں بلکہ جان کے لالے پڑ جاتے ہیں۔ اکثر علماء رٹ لگائے جا رہے ہیں کہ جو کچھ اگلے لکھ گئے ہیں وہ سب صحیح ہے اور اس سے سرِ مو ہٹنے کو تیار نہیں ہیں۔ مسلم دانشوروں کو قرآن، عقلی دلائل اور براہین کی روشنی میں اس طرح کی روایات کی صحت کا جائزہ لینا چاہئے اور جو روایتیں غلط نظر آئیں۔ ان کے لئے اعلان کر دینا چاہئے کہ ان کا

رسولؑ اورازواج رسولؐ سے کوئی دور کا بھی تعلق نہیں ہے۔ بہر حال ہم نے زیرنظر کتاب کے آئندہ ابواب میں ان روایات کواس کسوٹی کے مطابق پرکھنے کی کوشش کی ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ یہ ڈگر کٹھن ہے لیکن اللہ کی مدد اور توفیق کے بھروسے پر یہ قدم بڑھایا ہے۔ قارئین فیصلہ کریں کہ ہم اپنی کوشش میں کس حد تک کامیاب ہیں۔

ناموس رسولؐ میں غیروں کا کردار

(زمانہ) تاریخ شاہد ہے کہ جب بھی دنیا میں زیادہ بگاڑ پیدا ہوا یا کسی قوم کی حالت زیادہ خراب ابتر ہوگئی تو کوئی نہ کوئی ایسی ہستی کھڑی نظر آتی ہے جس نے اُس قوم کی حالت بدل دی اور جس بدحالی میں قوم مبتلا تھی اس سے نجات دلائی، مگر اس مصلح قوم کو اپنی تن آسانی یا اپنے عیش و آرام کے لئے کوئی وقت میسر نہ تھا، وہ ہر وقت اپنے پروگرام کو کامیاب بنانے کے لئے ہی غور وفکر کرتا اور سرگرم عمل نظر آتا ہے۔ غالباً وہ خواب میں بھی اسی سمت میں غور و فکر کرتا رہتا ہے، لیکن اگر وہ اپنے اس کام سے غافل ہوکر اپنے عیش و آرام یا اپنی گھریلو زندگی کے جھگڑوں میں الجھ جاتا تو وہ کبھی کامیاب نہ ہوتا۔ مگر مسلسل محنت لگن غور وفکر کی وجہ سے وہ اپنی قوم کو عزت کا مقام دلانے میں اکثر کامیاب نظر آتا ہے۔ بہت سے مصلح قوم ایسے بھی نظر آتے ہیں جن کے خانگی معاملات اچھے نہیں رہے، کیونکہ ان کو اپنے مشن کی وجہ سے اس طرف توجہ کرنے کا پورا موقع نہ ملا نہ ان کے پاس اتنا وقت تھا۔ ان کو تو صرف ایک ہی دھن تھی کہ میری قوم کی خراب حالت کیسے درست ہو۔ لیکن یہ ضروری نہیں کہ وہ دینوی مصلح ہمیشہ کامیاب ہی رہے ہوں کبھی ناکام بھی ہوتے ہیں، مگر ان کا مشن عبث نہیں ہوتا، لیکن اس دینوی مصلح کے مقابلہ میں نبی کا مقام بلند ہے وہ دونوں جگہ دین اور دنیا میں کامیاب ہوئے ہیں، ان کے گھریلو معاملات بھی درست رہے ہیں۔ اور ان کی ازدواجی زندگی بھی مثالی رہی ہے۔ دینوی مصلحین اقوام کے علاوہ جو دوسرے مصلحین دنیا میں گزرے ہیں ان کو قرآن کی اصطلاح میں نبی یا رسول کہتے ہیں۔ ان کا کام ان دینوی رہبروں کے مقابلہ میں کہیں زیادہ مشکل ہوتا ہے۔ اس لئے کہ ان کی مخالفت میں پوری

طاغوتی اور شیطانی قوتیں اور بگڑی ہوئی اقوام کھڑی ہوجاتی ہیں، کیونکہ اللہ کہتا ہے کہ شیطان نما انسان اور جنات ہر نبی کے دشمن رہتے ہیں یعنی ہر گنہگار انسان۔

سورہ الفرقان آیت ۳۱:۔ اور اسی طرح رکھے ہیں ہم نے ہر نبی کے دشمن گنہگاروں میں سے اور کافی ہے تیرا رب راہ دکھانے کو اور مدد کرنے کو۔

انعام آیت ۱۱۲:۔ اور اسی طرح کردیا ہم نے ہر نبی کے لئے دشمن شریر آدمیوں کو اور جنوں کو جو سکھلاتے ہیں ایک دوسرے کو ملمع کی ہوئی باتیں فریب دینے کے لئے اور اگر تیرا رب چاہتا تو وہ لوگ یہ کام نہ کرتے۔

لیکن رسول دن رات اپنے مشن کو پورا کرنے کے لئے پوری قوت سے لگے رہے اور کامیاب ہوگئے۔ ذرا بھی کوتاہی ہوتی تو کامیابی کیسے ہوتی یا وہ اپنے عیش و آرام میں لگ جاتے تو وقت کے انسان ہی ان کے کردار اور اخلاق پر انگلی اٹھاتے اور وہ کامیاب نہ ہوتے، مگر کبھی کسی رسول کی زندگی میں کسی نے بھی ان کے اخلاق و کردار کے بارے میں کوئی ایسی بات نہیں کہی جو ان کی شان کے منافی ہو۔ انہوں نے اپنی زندگی کو پیش کیا تب بھی کسی کونے سے کوئی قابل اعتراض بات کہنے والے نظر نہیں آئے۔ ہاں جادوگر سحر زدہ تو ضرور کہا گیا جو ایک مشترکہ بات رہی ہے، آج بھی جو صحیح بات کہتا ہے اس کو پاگل، دیوانہ کہا جاتا ہے، یہ ہی صورتِ حال پہلے بھی تھی۔ ہیں الا اللہ میں وہی تباہی خیزیاں تھیں کبھی طائف ومکہ میں تباہی خیزیاں

آپ دیکھیں گے کہ غلط کاروں نے ہمیشہ سے ہی اپنے غلط کارناموں کی تاویل پیش کرنے کے لئے ہر بڑے شریف آدمی چاہے وہ دینوی مصلح ہو یا دینی مصلح یعنی رسول ہو، کی طرف ایسے کارناموں کو منسوب کیا ہے اور دلیل میں کہا ہے کہ بھائی یہ کام جو میں کر رہا ہوں غلط نہیں ہے۔ اگر غلط ہوتا تو فلاں انہیں نہ کرتے، انہوں نے کئے اس لئے یہ اچھے کام ہیں، اور اس طرح یہ کام بڑے آدمی ہی کر سکتے ہیں، چونکہ میں بڑا آدمی ہوں اس لئے کر رہا ہوں۔ ایسے ہی افراد کی کوششوں سے بہت سی غلط روایتیں انبیاء سے منسوب ہوگئیں اور تاریخ کا حصہ بن گئیں۔

اللہ نے اپنے کلام میں متعدد آیات میں کہا ہے کہ انسانو! شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے اس سے ہوشیار رہنا یہ تم کو بُرے کاموں کی ترغیب دیکر جہنم کا مستحق بنا دیگا۔ لیکن باوجود خبردار کرنے کے یہ انسان ان کے فریب میں آکر اپنی آخرت خراب کرتا رہتا ہے۔ ان شیطانوں نے کسی نبی کو نہیں چھوڑا جس کے اوپر غلط الزامات نہ لگائے ہوں، اور سب سے مرغوب الزام جو وہ لگا سکتے تھے وہ یہ ہے کہ انہوں نے اکثر نبیوں، اوتاروں کے ساتھ عورتوں کی فوج کھڑی کر رکھی ہے کہ فلاں کے اتنی عورتیں تھیں اور فلاں کے اتنی، ہمارے پاس تو کم ہی ہیں اور کنیزوں کی بھی کافی تعداد بیان کی جاتی ہے۔ اور یہ بھی کہا کہ نبی اپنی مرضی سے ایسے کام کر لیتے تھے۔ جس کا اللہ کی طرف سے حکم نہ ہوتا تھا اور بعد میں اللہ کو گرفت کرنی پڑتی تھی۔ جتنے رسولوں کی بابت علم ہے ان میں سے شاید کسی کو ہی صحیح سلامت چھوڑا ہو۔ جس کی نشان دہی میں نے اپنی کتاب ذکر انبیاء میں کی ہے۔

محمدؐ کے بارے میں پہلی بار غلط باتیں لکھنے والے وہ شیطان کے شاگرد تھے جن کا کام ہی شریف ہستیوں کو بدنام کرنا تھا، اور ان کو اس کام کی ہی تربیت دی گئی تھی۔ وہ منافقانہ طور سے اسلام میں آئے اور جیسا کہ گذشتہ باب میں لکھا جا چکا ہے ان شرارت پسندوں نے یہود و نصاریٰ کی مشترکہ سازش سے محمدؐ اور ان کی ازواج کے بارے میں بہتان تراشی کی اور ان سے ایسی روایات منسوب کر دیں جن سے بظاہر ان پاک نفوس کی تعریف نظر آتی ہے لیکن درحقیقت ان کی کردار کشی کی گئی ہے۔ مثلاً آپؐ میں ۴۰ یا ۳۰ مردوں کی طاقت تھی اور وہ بھی ایک مرد سو مردوں کے برابر۔ اور آپؐ ایک رات میں ہی سب ازواج کے یہاں دورہ کر لیتے تھے۔ اس طرح کی بہت سی روایتیں نہ صرف کتابوں میں درج ہیں بلکہ مسلمانوں میں زبان زد خاص و عام ہیں، جن میں سے کچھ کا اس کتاب میں ذکر کیا گیا ہے۔

درحقیقت آخری نبیؐ ان باتوں سے پاک ہیں اور سب ہی نبی پاک ہیں، اللہ کے نبی تو بہت بلند مقام پر فائز ہیں۔ غلط باتیں تو کوئی شریف آدمی بھی نہیں کر سکتا ہے، وہ ہر وقت غلط باتوں سے اپنا دامن بچاتے ہیں، قرآن شاہد ہے۔

سورہ نور آیت ۲۶:۔ بری باتیں بُرے انسانوں کے لئے ہیں اور بُرے انسانوں کے لئے

بُری باتیں ہیں۔ اچھی باتیں اچھے انسانوں کے لئے ہیں اور اچھے انسانوں سے اچھے کام ہی ہوتے ہیں۔ ان کا دامن پاک ہے ان باتوں سے جو بنانے والے (منافق) بناتے ہیں، ان کے لئے مغفرت اور رزق کریم ہے۔

یہ ہے اللہ کی شہادت اور یہ ایک ہی آیت نہیں بلکہ بہت سی آیات ہیں۔ ان آیات کی روشنی میں اور رسولؐ کے اخلاق و کردار اور مصروفیت کو دیکھتے ہوئے اللہ کے حکم کے مطابق ان سب الزامات کو مسترد کر دینا چاہئے تھا مگر افسوس مسترد تو کیا کرتے جیسا کہ گذشتہ باب میں لکھا جا چکا ہے کہ اگر کسی اللہ کے بندے نے ان کی تردید کرنے کی کبھی ہمت بھی کی تو اس کو اسلام سے خارج قرار دے کر موت کی سزا دی گئی، اور اتنا خوف پیدا کیا گیا کہ زبانیں بند ہو گئیں۔ ڈاکٹر رفیق زکریا صاحب نے اپنی کتاب محمدؐ اور قرآن کے ص اے پر لکھا ہے۔ مسلم حکمرانوں نے درباری عالم مقرر کئے ان عالموں نے اپنے آقاؤں کے افعال بد کے دفاع کے لئے نئی نئی احادیث وضع کر لیں۔ ان احادیث سے مخالف فائدہ اٹھا رہے ہیں۔

ص ۹۴ ازواج کے متعلق مواد کا ماخذ بھی مسلم محدثین اور مؤرّخین کی تحریریں ہی ہیں۔ ان مؤرّخوں نے اکثر حضورؐ کو مافوق الفطرت اور بے پناہ جنسی قوت کے حامل انسان کے طور پر پیش کیا ہے۔ ابن سعد نے اپنی کتاب طبقات اور بخاری میں امام بخاری نے ایک حدیث لکھی ہے کہ حضورؐ ایک ہی رات میں اپنی تمام ازواج کو مطمئن کر سکتے تھے اور دورہ کرتے تھے۔ اور آپ میں ۳۰ مردوں کی طاقت تھی۔ اور محمود الحسن صاحب کے ترجمے پر نوٹ ہے کہ آپ میں ۴۰ مردوں کی طاقت تھی۔ جو ایک مرد سو مرد کے برابر یعنی چار ہزار مردوں کے برابر۔

ص ۴۶:۔ ان کے افعال و اقوال کو ثابت کرنے کے لئے بہت کم شہادتیں دستیاب ہیں؟ یعنی دوسرے رسولوں کے بارے میں ان کی شخصیتیں افسانوں اور داستانوں کے غبار میں دھندلائی ہوئی تصویر کی طرح ہیں۔ آپؐ کی حدیثوں میں تحریف کی گئی اور آپؐ کے افعال و اقوال کو غلط انداز میں پیش کیا گیا ہے۔

یہ وہ روایتیں ہیں جو تاریخ اور کتب احادیث کا حصہ بن چکی ہیں۔ نبیؑ کی جنسی قوت کو پیمانے سے ناپنے کی کوشش کیا نبیؑ کی شان کے منافی نہیں ہے؟ رسول ﷺ کو اللہ نے اپنے مشن کی تکمیل کے لئے یعنی دین اسلام کو نافذ اور غالب کرنے کے لئے معبوث فرمایا۔ مقام نبوت کتنا بلند مقام ہے، اس کا تصور بھی ہمارے لئے محال ہے، کیا جنسی قوت سے جوڑ پیدا کر کے اس مقام نبوت کو مجروح کرنے کی کوشش نہیں کی گئی، ضروری تھا اور ہے کہ امّت کے علماء اور صلحاء اس طرح کی روایتیوں کی تردید کریں اور ان سے برأت ظاہر کریں۔ غور کریں کہ کیا نبیؐ کے لئے بے پناہ جنسی قوت کا حامل ہونا ضروری ہے؟ اس طرح کی بے بنیاد روایتوں اور موضوع احادیث نے دشمنان اسلام کو مواد فراہم کیا ہے۔ جس کو بنیاد بنا کر ہر دور میں رسولؐ کی ازدواجی زندگی ان کی ذات پاک اور قرآنی آیات کے بارے میں مخالفین غلط توہین آمیز اور بے بنیاد باتیں لکھتے رہتے ہیں۔ آخر وہ وقت کب آئے گا کہ حق گو اٹھ کھڑے ہوں اور شان رسول ﷺ کو مجروح ہونے سے بچائیں۔ خواہ ان کو مخالفت کے کتنے ہی طوفان، طنز و طعن و تشنیع کا سامنا کرنا پڑے۔

کیا اختلاف امت رحمت ہے؟

قرآن کی اصطلاح میں جو کام اللہ کے نزدیک سب سے بُرے ہیں ان میں سے ایک اختلاف اُمّت بھی ہے۔ مگر افسوس صد افسوس اس کام کو جس کو قرآن برا کہتا ہے ایک موضوع حدیث کے زیر سایہ اختلاف امت رحمت بنا کر پیش کر دیا گیا۔ اس حدیث کے احترام میں ہر مسلمان کا سر جھک جاتا ہے، زبانیں بند ہو جاتی ہیں، کیوں نہ ہوں اگر وہ کچھ کہتا ہے تو اس پر منکر حدیث کا لیبل چسپاں ہو جاتا ہے۔ اور اس کا جینا دوبھر ہو جاتا ہے۔ اس اختلاف امت رحمت کے لئے ایسے ایسے مضمون بنا کر ثقہ راویوں کی طرف منسوب کر دئے ہیں، جن کا انکار بڑا مشکل نظر آتا ہے، اور ہر شخص کو گھٹنے ٹیک دینے پر مجبور ہوتا پڑتا ہے۔ مثلاً حضرت عمرؓ سے منسوب ہے کہ انہوں نے ہشامؓ کو سورہ فرقان کی تلاوت ایسے الفاظ میں کرتے سنا جو ان کے یاد کئے ہوئے الفاظ سے مختلف تھے یہ سن کر وہ نماز میں ہی ان

پر حملہ کرنے کو تیار ہو گئے مگر صبر کیا، بعد نماز ان کے گلے میں چادر ڈال کر حضورؐ کے پاس لے گئے اور شکایت کی۔ حضورؐ نے دونوں کی قرأت سنی جو مختلف تھی مگر دونوں کو درست فرمایا، دوسری روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ یہود ۷۲ فرقوں میں تقسیم ہو گئے تھے اور میری امت ۷۳ فرقوں میں بٹ جائے گی اور صرف ایک فرقہ جنتی ہو گا۔ گویا اس وقت ۷۳ میں سے ۷۲ افراد دوزخی ہیں اور صرف ایک جنتی اور یہ بھی یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ وہ جنتی کون سا ہے ہر ایک فرقہ کا دعویٰ یہی ہے کہ ہم جنتی ہیں اور باقی سب دوزخی۔ اور اسی عقیدے کے تحت ایک دوسرے پر کفر کا فتویٰ لگا دیتے ہیں۔

بڑے افسوس کی بات ہے کہ حضورؐ کی طرف اس بات کے منسوب کرنے سے پہلے ہم نے غور نہیں کیا؟ کیا حضورؐ الگ الگ الفاظ میں قرأت درست قرار دے سکتے تھے؟ کیا ۷۳ افراد میں سے صرف ایک کو جنتی بتلا سکتے تھے؟ عام سمجھ اور عقل سلیم کے مطابق تو یہ امر حضورؐ کی طرف کو منسوب کرنا ایک خطرناک قدم ہے۔ اور غالباً اسی طرح کی باتیں ہی آج مسلمانوں میں انتشار کا سبب ہیں اور اتحاد نہیں ہونے دیتیں، کیونکہ ہر فرقے والا دلیل میں ان باتوں کو ہی پیش کرتا ہے۔ جبکہ ان صحابہ کے بارے میں اللہ اپنے کلام پاک میں شہادت دے رہا ہے کہ اے محمدؐ ان مسلمانوں کو ہم نے ایک کر دیا ہے ان سے میں راضی ہو گیا ہوں پھر ان میں اختلاف کیسا؟ اور نبی آتے ہی اس لئے تھے کہ انسانوں نے دین میں جو اختلاف داخل کر لئے ہیں ان کو ختم کر دیں۔ اور حضورؐ آخری نبی ہیں پھر مختلف باتیں یا قرأت کیسے بتلا سکتے تھے ان کا کام تو اختلافات کو ختم کرنا تھا نہ کہ اختلافات کا دروازہ کھولنا۔ بقرہ آیت ۲۱۳:۔ ابتدا میں سب لوگ ایک ہی طریقے پر تھے (پھر اختلافات ہوئے) تب اللہ نے نبی بھیجے جو راست روی پر بشارت دینے والے اور کج روی کے نتائج سے ڈرانے والے تھے اور ان کے ساتھ کتابِ برحق نازل کی تا کہ حق کے بارے میں لوگوں کے درمیان جو اختلافات رونما ہو گئے تھے ان کا فیصلہ کرے۔ اختلافات ان لوگوں نے کئے جنہیں حق کا علم دیا جا چکا تھا۔ انہوں نے روشن ہدایت پا لینے کے بعد محض اس لئے حق کو چھوڑا کہ وہ اختلافات کر کے آپس میں زیادتی کرنا چاہتے تھے۔ پس جو انبیاء پر ایمان لے آئے انہیں

اللہ نے اپنے اذن سے اس حق کا راستہ دکھا دیا جس میں لوگوں نے اختلافات کیا تھا۔اس لئے جو چاہتا ہے اللہ اسے راہ راست دکھا دیتا ہے۔

اختلافات کے بارے اور کیا ہے وہ بھی پڑھ لیا جائے۔

انعام آیات ۱۵۹:۔ جو لوگ اپنے دین میں راہیں نکالیں اور گروہ گروہ ہو جائیں یا ہو گئے تو اے محمد تجھ کو ان سے کچھ سروکار نہیں ان کا کام اللہ ہی کے حوالے ہے۔ پھر وہی جتلائے گا ان کو جو وہ کرتے تھے۔

روم آیت ۳۱:۔ سب رجوع ہو کر اس کی طرف اور اس سے ڈرتے رہو، اور قائم رکھو نماز کو، اور مت ہو شرک کرنے والوں میں۔

۳۲:۔ ان جیسے جنہوں نے کہ پھوٹ ڈالی اپنے دین میں اور ہو گئے ان میں بہت فرقے۔ ہر فرقہ جو اس کے پاس ہے اس پر خوش ہے۔

اختلاف کو بُرا بتلانے والی متعدد آیات ہیں جن کو قرآن میں ضرور دیکھا جائے۔

دیکھئے قرآن کا فرمان کیا ہے اور ہم کیا کہہ رہے ہیں؟ میں پوری امت سے سوال کرتا ہوں کیا قرآن اور صحابہ کے عمل سے اس اختلاف کی گنجائش نکلتی ہے؟ کیا اس اختلاف کو اللہ اور رسولؐ نے بڑا گناہ شرک قرار نہیں دیا ہے؟ پھر کیوں نہ آج تک عطاء کرام نے ایک مجلس شوریٰ قائم کی جس میں ہر مسئلہ پر غور ہوتا، اور ہر اختلاف کو قرآن کی روشنی میں ختم کیا جاتا، امّت کو ایک قانونِ شریعت دیا جاتا، قرآن کا ایک ترجمہ دیا جاتا، ایک قول رسول سامنے آتا، ایک سیرت سامنے آتی، ایک امیر حکومت کے تحت ایک سلطنت ہوتی۔ ایک

ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے نیل کے ساحل سے لے کر تا بخاکِ کاشغر

جس وقت میں یہ مضمون لکھ رہا ہوں۔ میرے سامنے اخبارات میں خبریں آرہی ہیں جن میں درج ہے کہ مغربی ممالک میں اس وقت قرآن کو پڑھنے کا شوق پیدا ہو رہا ہے اور وہ لوگ قرآن لے کر پڑھ رہے ہیں۔ ظاہر ہے وہ لوگ عربی سے واقف نہیں ہیں تقریباً اکثر ان میں سے قرآن کو اپنی زبان کے ترجمہ سے ہی پڑھیں گے اور ان کی زبان اس وقت اکثر کی انگریزی ہے تو وہ انگریزی کا ترجمہ ہی پڑھیں گے، اس بات کو سن کر مجھے بڑی

مسرت حاصل ہوئی مگر ساتھ ہی ایک زبردست اندیشہ بھی ذہن میں آیا وہ یہ کہ آج ہمارے سامنے قرآن کے تراجم ایک نہیں ہر ترجمہ کہیں نہ کہیں اپنے اندر اختلاف رکھتا ہے اور ان پر جو تفاسیر درج کی گئی ہیں ان میں ایسی باتیں لکھی گئی ہیں جن سے شان رسول مجروح ہو رہی ہے۔ تو ایسے تراجم پڑھنے کے بعد ایک تحقیقی ذہن کیا تاثر لے گا وہ یہی کہ وہ مزید غلط فہمی میں مبتلاء ہو جائے گا۔ کاش آج قرآن کا ایک ترجمہ عربی متن کے مطابق ہوتا اور تفاسیر عربی متن اور حضورؐ کی شان کے مطابق ہوتیں تو اس وقت یہ اُمید کی جا سکتی تھی کہ وہ مغربی اقوام جو کہ حق کی تلاش میں ہیں وہ قرآن سے متاثر ہو کر اسلام کا دامن تھام لیتیں اور موجودہ ماحول میں جو پریشانیاں رونما ہو گئی ہیں وہ ختم ہو جاتیں۔ کاش ایسا ہو جائے۔ مثلاً قرآن میں جو آیات اس کائنات کی بناوٹ سیاروں کی گردش، انسان کی پیدائش، آسمانوں کی حقیقت اور سائنسی معلومات وغیرہ کے بارے میں ہیں اگر ان کے ترجمے اور تفسیر عربی متن کے مطابق ہوں تو حق کے متلاشی اور انصاف پسند ذہن ان پر لبیک کہیں گے۔ لیکن ان آیات میں سے اکثر جو ترجمہ کیا گیا ہے وہ متن سے بہت دور ہٹ گیا ہے، تحقیقی ذہن اس کو پڑھ کر ضرور انتشار کا شکار ہو گا ان میں سے کچھ آیات کی نشان دہی میں بھی اس کتاب میں کرنے جا رہا ہوں غور کیجئے حقیقت کیا ہے۔ کیا قرونِ اولیٰ کی طرح آج بھی اس قرآن سے ذہن متاثر نہیں ہو سکتے؟ ضرور ہو سکتے ہیں شرط قرآن کو اصل حالت میں پیش کر دینا اس کے مطابق عمل کر کے نمونہ بن کر دکھانا ہے۔

ان اختلافات کے سبب امّت کا شیرازہ بکھر کر رہ گیا ہے۔ گروہ بندیاں ہیں، دھڑے بازیاں ہیں، دیوبندی، بریلوی، وہابی، نیچری، سنی، شیعہ، اہل قرآن، اہل حدیث، اہل فقہ، جیسی اصطلاحیں رواج پا گئی ہیں۔ مسجدیں تقسیم ہو گئی ہیں ایک گروہ دوسرے کے پیچھے نماز نہیں پڑھتا، اگر ایک گروہ کا فرد دوسرے گروہ کی مسجد میں داخل ہو جائے تو مسجد ناپاک تصور کی جاتی ہے اور اسے دھویا جاتا ہے۔ ایک دوسرے کے خلاف گمراہی اور کفر کے فتوے جاری کئے جاتے ہیں۔ غور کریں کہ کیا یہی اختلاف امّت رحمت ہے؟ پانی سر سے اونچا ہو چکا ہے۔ جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ یہ روایت اور اختلاف امّت

رحمت قرآن کے منافی ہے لہذا قابل رد ہے۔ ہمیں سمجھنا چاہئے کہ جب اللہ ایک، رسولؐ ایک، قرآن ایک، قبلہ ایک، تو پھر اختلافات کی گنجائش کہاں؟

نبیؐ پر قرآن کیسے نازل ہوتا تھا اور کون لے کر آتا تھا؟

نزول قرآن کے حوالے سے مخالفین نے مختلف نوعیت کے اعتراضات کئے ہیں جس کا اس باب میں تفصیل سے جائزہ لیا گیا ہے۔ پہلے ہم دیکھیں کہ اس عنوان پر قرآن کی نہادت کیا ہے۔

المومنون آیت ۹۷:۔ اور کہہ اے رب میں تیری پناہ چاہتا ہوں شیطان کی چھیڑ سے۔
۹۸:۔ اور پناہ تیری چاہتا ہوں اے رب اس سے کہ وہ میرے پاس آئیں۔

الشعراء آیت ۲۱۰:۔ اور اس قرآن کو شیطان لے کر نہیں اترے۔ ۲۱۱:۔ اور نہ ان سے بن آئے اور نہ وہ کر سکیں۔ ۲۱۲:۔ ان کو تو سننے کی جگہ سے دور کر دیا گیا ہے۔ ۲۱۳:۔ سو تو مت پکار اللہ کے سوا دوسرا معبود پھر تو پڑے عذاب میں۔ ۲۲۱:۔ میں بتلاؤں تم کو کس پر اترتے ہیں شیطان۔ ۲۲۲:۔ اترتے ہیں جھوٹے گنہگار پر۔ ۲۲۳:۔ لا ڈالتے ہیں بنی ہوئی بات اور بہت ان میں جھوٹے ہیں۔ ۲۲۴:۔ اور شاعروں کی بات پر چلیں جو بے راہ ہیں۔ ۲۲۵:۔ تو نے نہیں دیکھا وہ ہر میدان میں سر مارتے پھرتے ہیں۔

سبا آیت ۴۸:۔ تو کہہ میرا رب القا کر رہا ہے سچا دین اور وہ جانتا ہے چھپی چیز کو۔

الحاقہ آیت ۴۴:۔ اور اگر یہ بنا لاتا ہم پر کوئی بات۔ ۴۵:۔ تو ہم پکڑ لیتے اس کا داہنا ہاتھ۔ ۴۶:۔ پھر کاٹ ڈالتے ہیں اس کی گردن۔ ۴۷:۔ پھر تم میں کوئی ایسا نہیں جو اس سے بچا لے۔

بنی اسرائیل آیت ۷۳:۔ اور وہ لوگ تو چاہتے تھے کہ تجھ کو بچلا دیں اس چیز کے سوا اور تب تو بنا لیتے تجھ کو دوست۔

۷۴:۔ اور اگر یہ نہ ہوتا کہ ہم نے تجھ کو سنبھالے رکھا تو لگ جاتا جھکنے ان کی طرف تھوڑا سا۔ ۷۵:۔ تب تو ضرور چکھاتے ہم تجھ کو دونا مزہ زندگی میں اور دونا مرنے میں، پھر نہ پاتا تو

اپنے واسطے ہم پر مدد کرنے والا۔

گذشتہ دونوں سلمان رشدی کی بدنام زمانہ کتاب ''شیطانی آیات'' شائع ہوئی ہے۔ یہ بڑے بڑے علماء کا کام تھا کہ اس کی مدلل تردید کرتے، انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ اگر کسی نے جواب دیا بھی ہے تو جو اعتراضات سلمان رشدی نے کئے ہیں جواب دینے والے نے ان کی مختلف تاویلات پیش کی ہیں جنہیں جواب ہرگز نہیں کہا جا سکتا۔ بہرحال میں نے ایک کوشش کی ہے۔ اس نے نبی پر ایک الزام یہ لگایا ہے کہ محمدؐ پر شیطان اپنی بات القا کرتا تھا۔ یا محمدؐ پر جب کوئی پریشانی آتی تھی تو اس سے نکلنے کے لئے کوئی آیت بناتے تھے اور کہتے تھے یہ حکم اس بارے میں اللہ کی طرف سے آیا ہے (یعنی شان نزول) اس کا ایک الزام یہ بھی ہے کہ اس وقت کی عورتیں بہت آزاد تھیں ان کے بارے میں قانون بنا کر کہا یہ اللہ کی طرف سے ہے ایک الزام یہ ہے کہ نبی اَن پڑھ تھے، اس لئے لکھنے والے کچھ سے کچھ لکھ دیتے تھے، اور ان کو پتہ بھی نہ چلتا تھا۔ ایک الزام افک اور ایلا کے بارے میں بھی لگایا ہے اور تعداد ازواج پر بھی انگلی اٹھائی ہے جو ہر مخالف اٹھاتا ہے۔ اسی طرح کے اعتراضات دیگر بہت سے مخالفین اسلام نے بھی کئے ہیں۔ یہ سب اعتراضات بے بنیاد ہیں اور پر قرآن کی جن آیات کا حوالہ دیا گیا ہے ان سے صاف طور پر عیاں ہے کہ قرآن نہ تو شیطان کا القا کیا ہوا ہے، اور نہ محمدؐ کا تصنیف کردہ ہے، بلکہ درحقیقت یہ کتاب مقدس اللہ کی نازل کردہ ہے۔ قرآن نے خود اس امر کی شہادت دی ہے۔ شیطان تو قرآن کو سن بھی نہیں سکتے۔ دوسرے رسول کی صداقت، امانت اور پاکبازی سے ثابت ہے کہ وہ کسی بھی حال میں خیانت کے مرتکب نہیں ہو سکتے تھے، اور ان کے ذریعہ کسی آیت کو خود تصنیف کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

النجم آیت ۳، ۴:۔ اور نہیں بولتا اپنے نفس کی خواہش سے یہ تو حکم ہے بھیجا ہوا، آپ کی وفات کے بعد کسی صحابی نے حضرت عائشہؓ سے نبیؐ کے عمل اور اخلاق کے بارے میں معلوم کیا تو عائشہؓ نے قرآن کو سامنے کر دیا اور کہا کہ آپ کا پورا عمل اور اخلاق اس قرآن پر تھا قرآن کو دیکھو۔ یہ ہے نبی کی شان۔ اگر نبیؐ اپنی طرف سے آیات بناتے جیسا کہ مخالفین کہتے ہیں تو

اللہ فرما رہا ہے کہ ہم اس کو (نبیؐ کو) پکڑتے اس کی گردن کاٹتے اور کوئی بچانے والا نہ ہوتا اور دنیا میں بھی بڑا عذاب دیتے اور آخرت میں تو بہت ہی بڑا عذاب دیتے۔ نبی اللہ کے منتخب کردہ برگزیدہ ہستی ہیں اور ان سے اس طرح کے کردار کی توقع نہیں کی جاسکتی۔

اس طرح کے اعتراضات کا سبب یہ ہے کہ مخالفین اسلام محمدؐ کو اللہ کا رسول اور قرآن کو آسمانی کتاب تسلیم نہیں کرتے، حتیٰ کہ اکثر اللہ کو بھی نہیں مانتے۔ تو مخالفین اسلام سن لیں کہ ان کی یہ سوچ ناقص ہے۔ انہوں نے نیک نیتی سے قرآن کا مطالعہ نہیں کیا اور وہ شریف انسانوں کے حالات زندگی اور بالخصوص نبی کی سیرت سے ناواقف ہیں۔ اُن کے سامنے تو شیطان نما۔ انسانوں کی زندگی کے حالات ہیں اور انہیں کی سوچ وفکر سے رہنمائی حاصل کرتے ہیں، اسی وجہ سے یہ لوگ حدود شرافت سے نکل جاتے ہیں، اور نبی کی کردار کشی کرتے ہیں۔

دراصل مستشرقین اور مخالفین اسلام بالخصوص سلمان رشدی نے اپنے الزامات اور اعتراضات کی عمارت جن بنیادوں پر کھڑی کی ہے وہ خود ہمارے سادہ لوح پیش رو حضرات کی فراہم کردہ ہیں۔ جیسا کہ گذشتہ ابواب میں لکھا جاچکا ہے اور قارئین کے افادہ کے لئے اس کا یہاں اعادہ کیا جا رہا ہے وہ یہ کہ یہود اور منافقین کا ایک ہی مشن تھا کہ قرآن اور رسولؐ کے بارے میں ایسی روایات عام انسانوں تک پہونچائی جائیں جن سے قرآن کا برحق آسمانی کتاب ہونا مشکوک ہوجائے، اور رسولؐ کے اخلاق وکردار پر سوالیہ نشانات لگ جائیں۔ اپنے اس مشن کی تکمیل کے لئے اُن فتنہ پردازوں نے نہایت ہوشیاری اور چالاکی سے ایسی روایات کی اختراع کی جن سے قرآن کی حقانیت اور رسول کا اخلاق اور کردار مجروح ہوتے ہیں اور ان کی شدت کے ساتھ تکرار کی اور ان کو کتب تواریخ میں جگہ دلوائی۔ یہ روایات اس خوبصورتی کے ساتھ پیش کی گئیں اور بہت ہی حسین ریشمی اور مخملی جزدانوں میں لپیٹ کر منظر عام پر لائی گئیں کہ ہمارے سادہ لوح پیش روان سے دھوکہ کھا گئے۔ ان کے ساتھ ساتھ ان مفسدین نے موضوع احادیث کا بہت بڑا ذخیرہ بھی فراہم کردیا اور انہیں کتب احادیث کا جزو بنادیا۔

جرمنی کے ڈکٹیٹر ہٹلر کے ایک مشہور جنرل گوئبلز نے کہا ہے کہ ایک جھوٹ کو سو بار دہراؤ تو عوام اس کو سچ سمجھنے پر مجبور ہوجائیں گے۔ اسی طرح فتنہ پرداز اور مفسدین بھی اپنے مقاصد میں کامیاب ہوگئے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ قرآن کے جو ترجمے دوسری زبانوں میں کیئے گئے ان کے معنی ومطالب اصلی عربی متن سے کافی جگہ ہٹے ہوئے ہیں۔ اور بات کہیں سے کہیں جاپہونچی ہے۔ بہت سے مفسرین نے اپنی تفاسیر اور سورتوں اور آیات کی شان نزول لکھتے وقت اپنے یہاں مفسدین کی فراہم کردہ غلط اور بے بنیاد روایات اور موضوع احادیث کو جگہ دی ہے۔ بعد کو آنے والے مفسرین نے بھی بلاتحقیق اور چھان پھٹک کے ان روایات کو اپنی تفاسیر میں نقل کردیا ہے۔ یہ ایک سلسلہ ہے جو مسلسل چلا آرہا ہے۔ اور المیہ یہ ہے کہ امت کے سادہ لوح افراد حتیٰ کہ علماء اور محدثین ان روایات اور موضوع احادیث کو درست گردانتے ہیں اور ٹس سے مس ہونے کو آمادہ نہیں ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ جملہ مکاتب فکر کے علماء اور محدثین کی ایک کمیٹی تشکیل دی جائے، جو قرآن کی روشنی میں کتب تواریخ، سیرت، احادیث، تراجم، تفاسیر کی جانچ پڑتال کرے اور خلاف قرآن رطب ویابس، خس وخاشاک، کوڑے کرکٹ اور خرافات کو ان کتب سے کاٹ چھانٹ کر الگ کردیں۔ جس سے معترضین کے اعتراضات کی جڑ ہی ختم ہوجائے۔ اب میں نفس مضمون کی طرف آتا ہوں۔ سورۃ ۲۲:۔ الحج کی آیت نمبر ۵۲ کا ترجمہ جس طرح اردو تراجم میں کیا گیا اور اس کی شان نزول اور تفسیر اکثر علماء نے جس طرح لکھی ہے اس میں علماء نے غلطیاں کی ہیں۔ اور مفہوم اصل سے دور چلا گیا ہے۔ اُسی کو سلمان رشدی وغیرہ نے اپنے اعتراضات کی بنیاد بنایا ہے۔ اور ہوسکتا ہے اردو کے علاوہ دوسری زبانوں کے تراجم میں بھی ایسا ہی کیا ہو۔ اس اجمال کی تفصیل اس طرح ہے۔

الحج ۲۲ آیت نمبر ۵۲:۔ اور جو رسول بھیجا ہم نے تجھ سے پہلے یا نبی سو لگا خیال باندھنے، شیطان نے ملادیا اس کے خیال میں، پھر اللہ مٹادیتا ہے شیطان کا ملایا ہوا، پھر پکی کردیتا ہے اپنی باتیں، اور اللہ سب خبر رکھتا ہے حکمتوں والا۔ ترجمہ مولانا محمود الحسن صاحب

اس طرح کا ترجمہ یقیناً شک پیدا کررہا ہے اسی طرح ہی تفسیر بھی کردی جو آگے

لکھی جائے گی۔ جس کو لے کر مخالفین نے اپنی عمارت بنالی اور دشمنان اسلام سے خوب داد حاصل کی۔ اب جو ترجمہ میرے نزدیک عربی قواعد کے مطابق صحیح ہے وہ لکھا جارہا ہے۔

۵۲/۲۲:۔ اور اے نبی تم سے پہلے ہم نے نہ کوئی رسول بھیجا اور نہ نبی (جس کے ساتھ یہ معاملہ پیش نہ آیا ہو کہ) جب اس نے تبلیغ دین کی اور اس نے یہ تمنا کی کہ لوگ اس دین کو قبول کرلیں تو شیطان اس کام میں (لوگوں کے دلوں میں) وسوسے ڈال کر خلل انداز ہوگیا۔ اس طرح شیطان جو کچھ خلل اندازیاں کرتا ہے اللہ اس کو مٹا دیتا ہے اور اپنی آیات جو نبی نے لوگوں کو سنائی ہیں، کو لوگوں کے دلوں میں پختہ کردیتا ہے اللہ علیم ہے اور حکیم ہے۔

نوٹ (۱)ء۔ نبی کی تمنا، آرزو اور خواہش یہ ہوتی ہے کہ سارے انسان اللہ کے دین کو قبول کرلیں اور یہی کام نبی کا ہوتا ہے۔ مگر جب نبی اللہ کے دین کو سناتا تھا تو شیطان ان لوگوں، جن کو نبی نے خطاب کیا تھا، کے دلوں میں طرح طرح کے خیالات اور وسوسے ڈالتا تھا اور کہتا تھا کہ یہ نبی نہیں ہے اور نہ اللہ نے اس پر وحی کی ہے، بلکہ یہ خود ہی بنا بنا کر کہتا ہے (جیسا کہ رشدی نے کہا ہے) کل تو یہ تمہارے ساتھ کاروبار کرتا تھا۔ نہ اس کے پاس کوئی نشانی ہے۔ بس تم اپنے بزرگوں کے طریقے پر چلتے رہو۔ شیطان کیسے عوام کے دلوں میں شکوک پیدا کرتا ہے آیت پیش ہے۔ سورت سبا آیت ۴۳ اور جب پڑھی جاویں ان کے پاس ہماری آیتیں کھلی کہیں اور نہیں یہ ایک مرد ہے کہ چاہتا ہے روک دے تم کو ان سے جن کو پوجتے رہے تمہارے باپ دادے۔ اور کہیں، اور نہیں یہ جھوٹ ہے باندھ لیا اور کہتے ہیں منکر ٹھیک بات کو جب پہنچے ان تک اور نہیں یہ جادو ہے صریح، یہ کام تو شیطان کا ہوا جو لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتا تھا۔ اس کے برخلاف جب نبی لوگوں پر محنت کرتے تھے تو لوگوں کے دلوں سے رفتہ رفتہ شیطانی وسوسے نکل جاتے تھے۔ اور نبی کی تعلیم لوگوں کے دلوں میں، جو اللہ کا دین اور آیات ہوتی تھیں پختہ ہوجاتی تھیں۔ اس آیت کا مفہوم یہ ہے۔ مگر اس آیت کے تحت جس طرح سے شان نزول بیان کی گئی ہے وہ فرضی اور گھڑی ہوئی ہے۔ اس کے تحت جو ترجمہ اور تفسیر کی ہے وہ غلط ہے جو نہیں ہونی چاہئے تھی مولانا ابو علی مودودی صاحب نے اپنی مشہور زمانہ تفسیر تفہیم القرآن، میں ان من گھڑت روایات کی تردید کی ہے۔

جو ذیل میں درج ہے۔ تفہیم القرآن جلد سوم ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱" مگر افسوس ہے کہ ایک روایت نے ان کی تفسیر میں اتنا بڑا گھپلا ڈال دیا کہ نہ صرف ان کے معنی کچھ سے کچھ ہوگئے بلکہ سارے دین کی بنیاد ہی خطرے میں پڑگئی ہم اس کا ذکر یہاں اس لئے کرتے ہیں کہ قرآن کے طالب علم فہم قرآن میں روایات سے مدد لینے کے صحیح اور غلط طریقوں کا فرق اچھی طرح سمجھ سکیں اور انہیں معلوم ہوجائے کہ روایت پرستی میں ناروا غلو کیا نتائج پیدا کرتا ہے۔ اور قرآن کی غلط تفسیر کرنے والی روایات پر تنقید کرنے کا صحیح طریقہ کیا ہے۔ قصہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ نبی کے دل میں یہ تمنا پیدا ہوئی کہ کاش قرآن میں کوئی ایسی بات نازل ہوجائے جس سے اسلام کے خلاف کفار قریش کی نفرت دور ہو اور وہ کچھ قریب آجائیں یا کم ازکم ان کے دین کے خلاف ایسی سخت تنقید نہ ہو جو انہیں بھڑکا دینے والی ہو۔ یہ تمنا آپ کے دل میں تھی کہ ایک دن قریش کی ایک بڑی مجلس میں بیٹھے ہوئے آپ پر سورہ نجم نازل ہوئی اور آپ نے پڑھنا شروع کیا جب آپ اَفَرأیْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰی. وَمَنوۃَ الثَّالِثَۃُ الْاُخْرٰی"

پر پہونچے تو یکا یک آپ کی زبان سے یہ الفاظ ادا ہوئے تِلْکَ الْغُرَ الفتہ العلی وَاَنَّ شفاعتھُنَّ لترجٰی ترجمہ یہ بلند مرتبہ دیویاں ہیں ان کی شفاعت ضرور متوقع ہے) اس کے بعد آگے پھر آپ سورہ نجم کی آیات پڑھتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ جب اختتام سورہ پر آپ نے سجدہ کیا مشرک اور مسلمان سب سجدے میں گر گئے۔ کفار قریش نے کہا کہ اب ہمارا محمدؐ سے کیا اختلاف باقی رہ گیا ہم بھی تو یہی کہتے ہیں کہ خالق و رازق اللہ ہی ہے۔ البتہ ہمارے یہ معبود اس کے حضور ہمارے شفیع ہیں۔ شام کو جبرئیلؑ آئے اور انہوں نے کہا یہ آپ نے کیا کیا؟ یہ دونوں فقرے تو میں نہیں لایا تھا۔ اس پر آپ سخت مغموم ہوئے اور اللہ نے وہ آیت نازل کی جو سورہ بنی اسرائیل رکوع ۸ میں ہے کہ وَاِنْ کَادُوْا لَیَفْتِنُوْنَکَ عَنِ الَّذِیْ اَوْحَیْنَا اِلَیْکَ لِتَفْتَرِیَ عَلَیْنَا غَیْرَہٗ..... ثُمَّ لَا تَجِدُ لَکَ عَلَیْنَا نَصِیْراً"

یہ چیز برابر نبی کو رنج و غم میں مبتلا کئے رہی یہاں تک کہ یہ سورہ حج کی آیت ۵۲ نازل ہوئی۔ اور اس میں آنحضرت کو تسلی دی گئی کہ تم سے پہلے بھی انبیاء کے ساتھ ایسا ہوتا رہا ہے۔ ادھر یہ

قصہ کہ قرآن سن کر آنحضرت کے ساتھ قریش کے لوگوں نے بھی سجدہ کیا مہاجرین جشہ تک اس رنگ میں پہونچا کہ آنحضرت اور کفار میں صلح ہوگئی ہے چنانچہ بہت سے مہاجرین مکہ واپس آگئے۔ مگر یہاں پہنچ کر انہیں معلوم ہوا کہ صلح کی خبر غلط تھی اسلام اور کفر کی دشمنی جوں کی توں قائم ہے۔ یہ قصہ ابن جریر اور بہت سے مفسرین نے اپنی تفسیروں میں ابن سعد نے طبقات میں الواحدی نے اسباب النزول میں، موسیٰ بن عقبہ نے مغازی میں ابن اسحاق نے سیرت میں اور ابن ابی حاتم ابن المنذر۔ بزار اور ابن مردویہ اور طبرانی نے اپنے احادیث کے مجموعوں میں نقل کیا ہے۔ جن سندوں سے یہ نقل ہوا ہے وہ محمد بن قیس، محمد بن کعب قرطبی عروہ بن زبیر، ابوصالح ابوالعالیہ، سعید بن جبیر، ضحاک، ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن حارث، قتادہ، مجاہد، سدی ابن شہاب، زہری اور ابن عباس پر ختم ہوتی ہے (ابن عباس کے علاوہ ان میں کوئی صحابی نہیں) قصے کی تفصیلات میں چھوٹے چھوٹے اختلافات کو چھوڑ کر دو بہت بڑے اختلافات ہیں ایک یہ کہ بتوں کی تعریف میں جو کلمات نبی کی طرف منسوب کئے گئے ہیں وہ قریب قریب ہر روایت میں دوسری روایت سے مختلف ہیں۔ ہم نے ان کا استقصاء کرنے کی کوشش کی تو ۱۵ پندرہ عبارتیں الگ الگ الفاظ میں پائیں۔ دوسرا بڑا اختلاف یہ ہے کہ کسی روایت کی رو سے یہ الفاظ دوران وحی میں شیطان نے آپ پر القا کردئے اور آپ سمجھے کہ یہ بھی جبرئیل لائے ہیں۔ کسی روایت میں ہے کہ یہ الفاظ اپنی اس خواہش کے زیر اثر سہواً آپ کی زبان سے نکل گئے۔ کسی میں ہے کہ اس وقت آپ کو اونگھ آگئی تھی اور اس حالت میں یہ الفاظ نکلے۔ کسی کا بیان ہے کہ آپ نے یہ قصداً کہے۔ مگر استفہام انکاری کے طور پر کہے۔ کسی کا قول ہے کہ شیطان نے آپ کی آواز میں آواز ملا کر الفاظ کہہ دئے اور سمجھا یہ گیا کہ آپ نے کہے ہیں۔ اور کسی کے نزدیک کہنے والا مشرک تھا۔ ابن کثیر بیہقی۔ قاضی عیاض۔ ابن خزیمہ۔ قاضی ابوبکر ابن العربی۔ امام رازی۔ قرطبی۔ بدرالدین۔ عینی۔ شوکانی آلوسی وغیرہ حضرات اس قصے کو بالکل غلط قرار دیتے ہیں۔ ابن کثیر کہتے ہیں کہ جتنی سندوں سے یہ روایت ہوا ہے سب مرسل اور منقطع ہیں مجھے کسی صحیح سند سے یہ نہیں ملا۔ بیہقی کہتے ہیں کہ از روئے نقل یہ قصہ ثابت نہیں ہے۔ ابن خزیمہ سے اس

کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ یہ زنادقہ کا گھڑا ہوا ہے۔ قاضی عیاض کہتے ہیں کہ اس کی کمزوری اس سے ظاہر ہے کہ صحاح ستہ کے مؤلفین میں سے کسی نے بھی اس کو اپنے یہاں نقل نہیں کیا۔ اور نہ یہ کسی صحیح متصل بے عیب سند کے ساتھ ثقہ راویوں سے منقول ہوا ہے۔ امام رازی قاضی ابوبکر اور آلوسی نے اس پر مفصل بحث کر کے اسے بڑے زور دار طریقے سے رد کیا ہے، لیکن دوسری طرف حافظ ابن حجر جیسے بلند پایہ محدث اور ابوبکر جصاص جیسے نامور فقیہ اور زمخشری جیسے عقلیت پسند مفسر اور ابن جریر جیسے امام تفسیر و تاریخ وفقہ اس کو صحیح مانتے ہیں اور اس کو آیت زیر بحث کی تفسیر قرار دیتے ہیں ابن حجر کا محدثانہ استدلال یہ ہے کہ سعید بن جبیر کے طریق کے سوا باقی جن طریقوں سے یہ روایت آئی ہے وہ یا تو ضعیف ہیں یا منقطع۔ مگر طریقوں کی کثرت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اس کی کوئی اصل ضرور ہے۔ علاوہ بریں یہ ایک طریقہ سے متصلاً بہ سند صحیح بھی نقل ہوا ہے۔ جسے بزار نے نکالا ہے (مراد ہے یوسف بن حماد عن امیہ بن خالد عن شعبۂ عن ابی بشر عن سعید بن جبیر عن ابن عباس) اور دو طریقوں سے یہ اگرچہ مرسل ہے مگر اس کے راوی صحیحین کی شرط کے مطابق ہیں، یہ دونوں روایتیں طبری نے نقل کی ہیں۔ ایک بطریق یونس بن مزید عن ابن شہاب دوسری بطریق معتمد بن سلیمان وحماد بن سلمہ عن داؤد بن ابی ہند عن ابی العالیہ۔ تفہیم القرآن مودودی صاحب"۔

یہ ہے وہ طلسم ہوش ربا جس نے غیروں کو بہت بڑا ہتھیار دے دیا کہ حضورؐ کی شان میں گستاخی کرتے رہیں۔ اور حضورؐ کی امت دفاع کرتی رہے۔

رشدی نے یہ بھی کہا ہے کہ جب محمدؐ پر کوئی مصیبت آتی تھی تو کوئی آیت اس کے متعلق بنا کر کہتے تھے کہ اللہ کی طرف سے مسئلہ کا حل ہے۔ یہاں بھی اس نے بغیر تحقیق نہایت نامعقول بات کہی ہے۔ بہر حال اس کو ہتھیار مسلمانوں سے ہی ملا۔ انہوں نے کچھ ایسا شان نزول کے تحت لکھ رکھا ہے جو قابل اعتراض ہے۔ قابل غور امر یہ ہے کہ جب کوئی حکومت قائم ہوتی ہے تو سب سے پہلے اپنا آئین بناتی ہے جب تک آئین نہیں بنتا تو وہ سابق قانون سے کام چلاتی ہے مگر پریشانی رہتی ہے اپنا کام تو چلاتی ہے ایسا نہیں ہے کہ

ہمیشہ ہی وقت آنے کے بعد قانون بنائے۔ وہ الگ بات ہے کہ کوئی قانون وقت کا ساتھ نہ دے تو اس کی جگہ دوسرا قانون بنایا جاتا ہے۔ یہ تو انسانی قانون کی بات رہی لیکن معترضین نے نبی کو بھی اسی خانے میں کھڑا کرنے کی کوشش کی ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ قرآن خود اس بارے میں کیا کہتا ہے۔

الفرقان ۲۵ آیت ۳۱۔ اور اسی طرح رکھے ہیں ہم نے ہر نبی کے لئے دشمن گنہگاروں میں سے اور کافی ہے تیرا رب راہ دکھلانے کو اور مدد کرنے کو۔

۳۲: اور کہنے لگے وہ لوگ جو منکر ہیں۔ کیوں نہ اترا اس پر قرآن سارا ایک جگہ ہو کر۔ اسی طرح اتارا تاکہ ثابت رکھیں ہم اس سے تیرا دل اور پڑھ سنایا ہم نے اس کو ٹھہر ٹھہر کر۔

۳۳: اور نہیں لاتے تیرے پاس کوئی مثل کہ ہم نہیں پہنچا دیتے تجھ کو ٹھیک بات اور اس سے بہتر کھول کر (یقیناً ان کے سوال کرنے سے پہلے ہی ہم اسکا جواب تم کو دیدیتے ہیں)

ان آیات میں صاف صاف کہا گیا ہے کہ اللہ نے یہ قرآن بتدریج اتارا ہے۔

اور یہ بھی بتایا کہ انسانوں کے سوال کرنے سے پہلے ہم اس کا جواب دے دیتے ہیں جو بالکل ٹھیک ہوتا ہے یعنی اللہ کو معلوم تھا کہ انسان میرے رسولؐ سے کیا کیا سوال کریں گے ان کا جواب سوال کرنے سے پہلے ہی عطا کر دیا۔ جن کو نیک انسان مان لیتا ہے۔ اور جو گنہگار ہے وہ مذاق بناتا ہے اور دوسروں کو مذاق بنانے کا مواد فراہم کرتا ہے۔ ایک اور مثال پیش ہے جس میں ترجمہ عربی قاعدے کے خلاف کیا ہے ترجمہ ذیل میں درج ہے۔

بقرہ آیت ۲۱۷: یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الشَّھْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِیْہِ قُلْ قِتَالٌ فیه کبیرٌ...

تجھ سے معلوم کرتے ہیں مہینہ حرام کو کہ اس میں لڑنا کیسا ہے کہہ دے لڑائی اس میں بڑا گناہ ہے اور روکنا اللہ کی راہ سے اور اس کو نہ ماننا اور مسجد الحرام سے روکنا اور نکال دینا اس کے لوگوں کو وہاں سے اس سے بھی زیادہ گناہ ہے اللہ کے نزدیک۔۔۔

اس آیت کا صحیح ترجمہ عربی قاعدے کے مطابق اس طرح ہے (اے محمدؐ) تجھ سے یہ لوگ معلوم کریں گے مہینہ حرام کو اس میں لڑنا کیسا ہے (تو اللہ نے اس کا جواب ساتھ ہی دیا سوال بھی اللہ نے بتایا اور جواب بھی کہ جب ایسا سوال آئے اور آئے گا تو اس کا

جواب یہ ہے) یعنی اس میں لڑنا بڑا گناہ ہے۔

دیکھا کیا بات سامنے آئی اللہ کو معلوم تھا کہ میرے نبی سے اس بارے میں یا دوسری باتوں کے بارے میں سوال ہوں گے لوگ معلوم کریں گے تو اس سے پہلے ہی اللہ نے متوقع سوالات اور ان کے جوابات بذریعہ وحی نازل فرمادئے جو قرآن کا حصہ ہیں۔

اللہ نے نبی کو بے بس نہیں چھوڑا بلکہ وقت آنے سے پیشتر ہی وحی کے ذریعہ نبی کی رہنمائی اور مدد کی تاکہ کفار اور مشرکین کے سوالات کا مسکت اور دندان شکن جواب دیا جائے اور مخالفین جان لیں کہ حقیقت میں یہ اللہ کے رسول ہیں اور یہ علم اللہ کی طرف سے ہے۔ اس طرح کی یہ ایک ہی آیت نہیں ہے بلکہ بہت سی ہیں جیسے ۲/۲۱۶_۲/۲۱۹_۲/۲۲۰ وغیرہ لیکن ان کا ترجمہ مستقبل کے بجائے ماضی کا کردیا۔ اور معترضین نے اسی پر اعتراض کی عمارت کھڑی کردی۔ اس صورتِ حال میں ضروری اور لازم ہے کہ مسلمان بھی اس قسم کے تراجم پر غور کریں۔ علماء کرام غلط تراجم کے بجائے صحیح تراجم امت کے سامنے لائیں۔ درحقیقت قرآن کا نزول کسی شانِ نزول کا محتاج نہیں ہے۔ اس کے احکامات اور ہدایات کو کسی خاص واقعہ سے منسوب کر کے محدود نہیں کیا جاسکتا۔ بلکہ یہ ایسی کتاب ہے جو ان جملہ حوادثات کو احاطہ کئے ہوئے ہے جو رہتی دنیا تک انسانیت کو پیش آتے رہیں گے اور یہ ان کے حل کے لئے مشعل ہدایت بنی رہے گی۔

رشدی کا ایک اعتراض یہ ہے کہ اس وقت عورتیں بہت آزاد تھیں ان کے لئے محمدؐ نے قانون بنائے۔ تو سنو، اس وقت عورتیں اور مرد عرب میں ہی آزاد نہیں تھے بلکہ پوری دنیا میں ہی اخلاق نام کی کوئی چیز نہ تھی بہت گناہ ہو رہے تھے، انسانیت چیخ رہی تھی لڑکیوں کو قتل کیا جا رہا تھا، چوری، زنا، جوا، شراب لڑائی، قتل گویا ہر برائی ہو رہی تھی تو اللہ نے رسول کو مبعوث فرمایا، دین اسلام کی تکمیل کی اور قرآن میں ان کے بارے میں قانون دئے ایک ضابطہ حیات دیا۔ اسلام نے ظلم اور برائیوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا اور دنیا کو امن اور قانون کا گہوارہ بنادیا۔ دراصل یہ سب کچھ اللہ کے نازل کردہ قرآن اور اس کی تعلیمات کے تحت ہوا۔ محمدؐ نے محض اللہ کے نازل کردہ دین کو نافذ کیا، اپنی طرف سے کوئی آیت تصنیف نہیں

کی۔محمدؐ سے پہلے بھی رسول آئے، ان کو بھی آسمانی کتابیں دی گئیں۔ان میں بھی ایسے ہی قانون تھے۔لیکن ان کتابوں کو بدل دیا گیا، اور ان کے ماننے والوں نے اپنے نفس کے مطابق قانون بنائے جن سے بدامنی، ظلم اور فساد برپا ہوا۔

مفسدین اور فتنہ پردازوں، یہود اور منافقین نے قرآن کے ساتھ بھی ویسا ہی عمل کرنے کی کوشش کی، لیکن چونکہ اللہ نے قرآن کی حفاظت کا وعدہ کیا ہے، اس لئے کہ اس کے بعد کوئی کتاب نہیں آئے گی یہ آخری کتاب ہے، اس لئے وہ لوگ اس کا عربی متن نہیں بدل پائے تاہم تراجم اور تفاسیر میں کافی الٹ پھیر کر دیا۔قرآن کا اصل متن عربی قاعدے سے دیکھنے پر اس بات کی تصدیق ہو جائے گی اور کوشش کرنے پر تراجم ٹھیک بھی ہو جائیں گے۔عورتوں کے آزاد ہونے کی بات بھی ہمارے یہاں حضرت عمرؓ یا حضرت ابوبکرؓ کی زبانی کہلادی ہے کہ مدینہ کی عورتوں کو دیکھ کر اب ہماری عورتیں بھی اپنے شوہروں کو زیادہ پریشان کرنے لگی ہیں۔ایلا کے معاملہ میں بھی نبی کو ملوث کر دیا گیا ہے۔

جب دنیا میں گناہ بڑھ گئے تو اللہ نے اپنے نبی محمدؐ کے ذریعہ ان برائیوں سے بچنے کے لئے دستور حیات اور کتاب ہدایت نازل فرمائی۔جن لوگوں نے اسے حق تسلیم کیا، اللہ نے ان سے جنّت کا وعدہ فرمایا ہے اور جنہوں نے اس سے انکار کیا ان کے لئے دوزخ مقدر کر دی گئی ہے۔ہم یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ مسلمان گناہوں میں ملوث نہیں ہیں لیکن آج کے دور میں بھی ان میں برائیوں کے ارتکاب کا تناسب کم ہے لیکن انہیں وہ کم بھی نہیں کرنے چاہئیں۔مگر مسلمانوں کے مقابلہ میں دوسری اقوام گناہوں میں پوری طرح ڈوب چکی ہیں۔مثلاً لڑکیوں کو مارنا جو ایک بڑا گناہ ہے۔اس سے مسلمان تو اللہ کے حکم کی پیروی کر کے بچ گئے لیکن آج پوری دنیا میں لڑکیوں کو بڑی تعداد میں حمل کے اندر ہی ختم کر دیا جاتا ہے۔یہ لوگ اپنے کو مہذب کہتے ہیں لیکن ان کا کردار وحشیانہ ہے۔یہ نوع انسانی کی نسل کشی کے مرتکب ہو رہے ہیں۔اس حرکت سے لڑکیوں کی تعداد کم ہو جائے گی اور مستقبل قریب میں اس کے ہولناک نتائج سامنے آئیں گے۔فحاشی، جنسی بے راہ روی اور زنا کاری، جو آج مغربی تہذیب میں رچ بس گئی ہے، بہت جلدی ہی مہیب شکل اختیار کر لے

گی جس کے اثرات ظاہر ہونے شروع بھی ہو گئے ہیں۔

رشدی نے اپنی کتاب میں یہ تاثر بھی دینا چاہا ہے کہ نبی ان پڑھ تھے۔اس نے اس بارے میں لکھا ہے کہ ایک سلمان نام کا کاتب تھا اس نے محمدؐ کو جانچنے کا فیصلہ کیا وہ محمدؐ کے ذریعہ بتائی گئی آیتوں کو کاغذ پر اُتارا کرتا تھا اور انہیں اتار کر ایک بار پھر سے سنایا کرتا تھا۔تا کہ غلطی ہو تو اسے ٹھیک کیا جا سکے ایک دن اس نے آیت جس کا مطلب تھا۔

All Hearing All Knowing

کو لکھا

All Knowing all wise۔اور اسے جب اس نے دوبارہ سنایا تو کسی نے کچھ نہیں کہا۔سلمان کہتا ہے کہ اس کے بعد اس نے پھر سے ایک تبدیلی کی، محمدؐ نے کہا عیسائی اور اس نے لکھا یہودی۔لیکن اس بار بھی محمدؐ اسے پکڑ نہ سکے اس واقعہ کے بعد اس نے کئی رد و بدل کئے۔(نعوذ باللہ) یہ ہتھیار بھی مسلمانوں کا فراہم کردہ ہے۔ہمارے پیش رویان نے خود لکھ رکھا ہے کہ نبی ان پڑھ تھے۔اس معاملہ میں معترضین اور مسلمان دونوں غلطی پر ہیں۔

قرآن میں اس امر کی کوئی بھی آیت نہیں ہے جس سے ثابت ہو کہ نبی ان پڑھ تھے۔مخالفین قرآن کے بارے میں جن خیالات کا اظہار کیا کرتے تھے ان کو قرآن نے اس طرح بیان کیا ہے۔

سورہ فرقان آیت ۵: ۔اور کہنے لگے یہ نقلیں ہیں پہلوں کی جن کو اس نے لکھ لیا ہے، سو وہی لکھوائی جاتی ہیں اس کے پاس صبح و شام، مندرجہ بالا آیت سے ظاہر ہے کہ جو لوگ آپ کے جانی دشمن تھے وہ خود حضورؐ کے لکھنے پڑھنے کا اقرار کر رہے ہیں۔مخالفین کے اس اقرار کی روشنی میں رشدی کا یہ کہنا کہ رسولؐ ان پڑھ تھے خود بخود باطل ثابت ہو جاتا ہے۔البتہ ہم مسلمانوں کو بھی لازم ہے کہ اپنے اسلاف کی ان غلط تحریروں کی اصلاح کریں جن میں نبی کو ان پڑھ کہا گیا ہے۔

معاملہ کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ دنیا میں پہلے بھی ایسے لوگ پائے جاتے تھے جو ایک یا دو بار سن کر یاد کر لیتے تھے اور آج بھی اس طرح کے لوگ ہو سکتے ہیں جہاں تک رسولؐ

کی بات تھی ان کو اللہ نے غیر معمولی حافظہ عطا فرمایا تھا اور آپ اللہ کی وحی کے ذریعہ نازل کردہ آیات کو ایک بار سن کر ہی حفظ کر لیتے تھے۔ اور خود لکھ لیتے تھے اور دوسرے کاتبین وحی کو لکھا دیتے تھے۔ اس صورت حال میں اس بات کی کوئی گنجائش ہی نہیں تھی کہ کوئی بھی کاتب قرآنی آیات میں کسی طرح کی تحریف یا ردو بدل کرسکتا۔ رشدی کا یہ اعتراض محض شرارت پر مبنی ہے۔ بہر حال امت مسلمہ کی یہ مجموعی ذمہ داری ہے کہ رسولؐ کو ان پڑھ نہ کہیں اور ناموس رسولؐ کی حفاظت کریں۔

قرآن کے آسمانی کتاب ہونے کا سائنسی ثبوت

یہ ایک بدیہی حقیقت ہے کہ جوں جوں سائنس ترقی کر رہی ہے توں توں انسان کا یقین اللہ اور اس کی نازل کردہ آخری آسمانی کتاب قرآن میں بڑھتا جارہا ہے۔ دراصل کائنات کی وسعت لامتناہی ہے اور اس میں ان گنت اجرام فلکی اپنے اپنے مدار پر گردش کر رہے ہیں، جو نہ ایک دوسرے کی راہ میں حائل ہوتے ہیں اور نہ ایک دوسرے سے ٹکراتے ہیں۔ جو لوگ قرآن کو اللہ کا نازل کردہ مانتے ہیں وہ تو صراط مستقیم پر ہیں اور عمل اس کے مطابق کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ بہت سے انسان قرآن کو کتاب اللہ تو مانتے ہیں، مگر عمل اس کے خلاف کرتے ہیں، اور بہت سے افراد قرآن کو محمدؐ کا تصنیف کردہ مانتے ہیں جیسا کہ مخالفین اسلام کا خیال ہے۔ مگر تینوں فریق اس بات پر متفق ہیں کہ یہ کتاب آج سے تقریباً ۱۴۳۴ سال سن ہجری کے مطابق قدیم ہے۔ اب ہمیں سائنس کی رو سے یہ دیکھنا ہے کہ یہ کتاب محمدؐ کے اپنے ذہن کی پیداوار ہے یا اللہ کی نازل کردہ ہے۔

جس زمانے میں قرآن نازل ہوا یعنی ۱۴۳۴ سال پہلے، اس زمانے کے سائنس داں اور سائنس پر نظر ڈال لی جائے، اور دیکھا جائے کہ اس وقت کائنات اور اجرام فلکی اور کرۂ ارض کے بارے میں کیا نظریات پائے جاتے تھے اور ان کے برعکس، قرآن نے کائنات کی کن کن حقیقتوں سے پردہ اٹھایا۔ موجودہ زمانے میں سائنس نے بہت سے سربستہ رازوں سے پردہ اٹھایا ہے، جن کو نزول قرآن کے زمانے میں کوئی انسان نہ جانتا تھا، اور نہ ہی کوئی تسلیم کرسکتا تھا۔ مثلاً اُس زمانے میں کوئی سائنس داں یا حکیم یہ نہیں جانتا تھا کہ بچہ ماں کے پیٹ میں کس حالت میں رہتا ہے کہ، یا پیدا ہونے تک کتنی حالتوں سے گزرتا ہے۔ سیارے گردش کرتے ہیں یا نہیں۔ اور زمین گردش میں ہے یا ٹھہری ہوئی ہے۔ یہاں تک کہ ان باتوں کو قرآن کے نازل ہونے کے سیکڑوں سال بعد تک بھی کوئی نہیں جانتا تھا۔ مگر قرآن نے کائنات، اس کی ساخت، اجرام فلکی کی اپنے مدار پر گردش، نظام ہائے شمسی کی ترتیب اور ان سیاروں کی گردش، کرۂ ارضی کی ساخت اور اس کی گردش سیاروں

کی باہمی کشش اور ثقل، رات اور دن کا نظامِ ترتیب، دریاؤں کی روانی، سمندروں کے وجود، خشکی اور پانی، موسموں کی آمدورفت ہواؤں کے چلنے، بارش ہونے، پہاڑوں کی افادیت کے بارے میں تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

سورہ الزمر ۳۹: ۔آیت ۶ وہ تمہاری ماں کے پیٹوں میں تین تین تاریک پردوں میں تمہیں ایک کے بعد ایک شکل دیتا چلا جاتا ہے۔

مومنون آیت ۱۲ تا ۱۷۔ (۱) آدمی کو ہم نے مٹی کے ست سے بنایا (۲) پھر اس کو ایک مضبوط محفوظ جگہ میں نطفہ بنا کر رکھا (۳) پھر نطفہ کو لوتھڑا بنایا (۴) پھر لوتھڑے کو بوٹی بنایا (۵) پھر بوٹی کی ہڈیاں بنائیں (۶) پھر ہڈیوں پر گوشت چڑھایا (۷) پھر اس کو نئی صورت میں بنایا تو خدا سب سے بہتر بنانے والا ہے۔

انشقاق ۸۴ آیت ۱۹: ۔تم یقیناً ایک طبق سے دوسرے طبق کو سفر کرو گے۔

الانبیاء ۲۱ آیت ۳۰: ۔کیا وہ لوگ جنہوں نے قرآن کو ماننے سے انکار کر دیا ہے غور نہیں کرتے کہ یہ سب آسمان اور زمین آپس میں ملے ہوئے تھے پھر ہم نے ان کو جدا کیا۔

۲۱/۳۳: ۔اور وہی ہے جس نے رات اور دن کو بنایا اور سورج چاند کو بنایا اور ہر ایک اپنے فلک میں تیر رہے ہیں (گردش کر رہے ہیں)

۲۱/۴۴: ۔کیا یہ دیکھتے نہیں کہ ہم زمین کو اس کے کناروں سے گھٹاتے چلے آ رہے ہیں۔تو کیا یہ لوگ غلبہ پانے والے ہیں۔

الرحمان آیت ۳۳: ۔اے گروہ جن وانس اگر تم زمین و آسمان کی حدوں سے نکل سکتے ہو تو نکلو۔ دیکھو نہیں نکل سکتے۔مگر طاقت (سلطان) کے ساتھ نکل سکتے ہو (بڑے زور کے ساتھ نکل سکتے ہو) تو اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

۳۴: ۔نکلو گے تو تم پر آگ کے شعلے اور دھواں آئے گا جس کا تم مقابلہ نہ کر سکو گے۔تم اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔

الذّٰریٰت ۵۱ آیت ۴۷: ۔اور آسمان کو ہم نے اپنے زور سے بنایا اور ہم اس کو پھیلاتے جا رہے ہیں۔

حم السجدہ ۴۱ آیت ۱۰، ۱۱، ۱۲: ۔اور اس نے زمین کے اوپر پہاڑ بنائے اور زمین میں برکت رکھی اور اس میں سامان معیشت مقرر کیا چار دنوں میں طلب گاروں کے لئے یکساں، پھر آسمان کی طرف متوجہ ہوا اور وہ دھواں تھا تو اس نے اس آسمان و زمین سے فرمایا کہ دونوں آؤ خوشی سے یا ناخوشی سے انہوں نے کہا ہم خوشی سے آتے ہیں۔ پھر دو دن (دو دور میں) سات آسمان بنائے، اور آسمان میں ان کا حکم قانون وحی جاری کر دیا۔ اور آسمان دنیا کو ہم نے چراغوں یعنی تاروں سے آراستہ کیا اور اسے خوب محفوظ کر دیا، یہ سب کچھ ایک زبردست علیم ہستی کا منصوبہ ہے۔

۴۱/۵۳: ۔عنقریب ہم ان کو اپنی نشانیاں آفاق میں بھی دکھائیں گے اور ان کے اپنے نفس میں بھی۔ یہاں تک کہ ان پر یہ بات کھل جائے گی کہ یہ قرآن واقعی برحق ہے کیا یہ بات کافی نہیں ہے کہ تیرا رب ہر چیز کا شاہد ہے۔

سورت ۴۱ میں لفظ یوم کی تشریح سورہ ۷۹/۲۷ تا ۳۳ میں دیکھی جائے کہ یوم سے مراد کیا ہے۔

النّٰزعٰت ۷۹۔ آیت ۲۷ تا ۳۳۔ کیا تم لوگوں کی تخلیق زیادہ سخت کام ہے یا آسمان کی؟ اللہ نے اس کو بنایا۔ اس کی چھت خوب اونچی اٹھائی پھر اس کا توازن قائم کیا۔ اور اس کی رات ڈھانکی۔ اور اس کا دن نکالا۔ اس کے بعد زمین کو اس نے بچھایا۔ اس کے اندر سے اس کا پانی اور چارہ نکالا اور پہاڑ اس میں قائم کئے سامان زیست کے طور پر تمہارے لئے اور تمہارے مویشیوں کے لئے۔ یہ چھ دور ہو گئے۔

یوم کی وضاحت ان آیات میں ہو گئی کہ یوم سے مراد ایک دن کے بجائے یہاں دور ہے اس کی مدت نہ معلوم کتنے دن کی ہے ایک دن سے مراد یوم نہیں ہے۔

سورہ طلاق آیت ۱۲: ۔خدا ہی تو ہے جس نے سات آسمان بنائے اور ان کے مثل ہی (سات) زمین، ان میں حکم (وحی) جاری رہتے ہیں تاکہ تم لوگ جان لو کہ خدا ہر چیز پر قادر ہے، اور یہ کہ خدا اپنے علم سے ہر چیز پر احاطہ کئے ہوئے ہے۔

آیات بالا پر جب ایک ذی عقل و ذی ہوش انسان ایمانداری اور غیر جانبداری

سے غور کرتا ہے تو اس کو سورج کی طرح یا ۲+۲=۴ کی طرح یقین ہو جاتا ہے کہ قرآن اللہ کی طرف سے ہے اور سچ ہے۔ وہ باتیں کیا ہیں جو انسان کو یہ کہنے پر مجبور کرتی ہیں کہ یہ کتاب برحق ہے (۱) یہ کہ قرآن نے بتلایا کہ ماں کے پیٹ میں بچہ تین اندھیروں میں رہتا ہے۔ (۲) یہ کہ بچہ اپنی آخری شکل تک آنے تک چھ مراحل سے گزر کر ساتویں مرحلہ میں آتا ہے۔ (۳) یہ کہ انسان کے لئے یقینی ہے کہ وہ ایک کرۂ سے دوسرے کرۂ طبق کو سفر کرے گا۔ (۴) یہ کہ انسان زمین و آسمان کے کناروں سے طاقت (سلطان) سے نکل سکتا ہے، اور نکلے گا تو اس کو آگ اور دھویں سے پالا پڑے گا جس کا اسے انتظام کرنا ہے۔ (۵) یہ کہ پہلے زمین و آسمان دھواں اور ملے ہوئے تھے پھر اللہ نے ان کو الگ الگ کیا۔ (۶) یہ کہ فلک پھیل رہا ہے۔ (۷) یہ کہ سب سیارے اپنے اپنے مدارس میں گردش کر رہے ہیں اور باہمی کشش و ثقل سے بندھے ہوئے ہیں۔ (۸) یہ کہ زمین چاروں طرف سے کم ہو رہی ہے۔ (۹) یہ کہ زمین میں پہاڑ بنائے تاکہ زمین کا توازن قائم رہے۔ (۱۰) یہ کہ سات آسمان اور سات زمین بنائے یعنی متعدد نظام ہائے شمسی تخلیق کئے۔ (۱۱) یہ کہ ہر آسمان میں اللہ کا حکم جاری ہے۔ (۱۲) یہ کہ ہر جاندار کے لئے خوارک بنائی۔ (۱۳) یہ کہ زمین کو اس حالت تک آنے کے لئے چھ مراحل یعنی چھ یوم سے گزرنا پڑا۔ ہر ایک مرحلہ یعنی دور کی مدّت کافی رہی ہے، ایک دن نہیں، تب یہ زمین اس حالت میں آئی کہ اس پر انسانی زندگی قائم و باقی رہ سکے۔ اوپر جن باتوں کے بارے میں لکھا ہے قرآن یہاں تک ہی آگاہی دے کر خاموش نہیں ہو گیا ہے بلکہ اور متعدد گوشوں کی واقفیت بہم پہونچائی ہے۔ جن میں سے یہاں محض چند کا ذکر کیا گیا ہے۔ ضروری ہے کہ مسلم سائنس داں قرآن کا مطالعہ کر کے سب گوشوں کو اجاگر کریں۔ اور دنیا والوں کو بتلائیں جو قرآن کا صحیح علم نہیں رکھتے بلکہ طرح طرح کے شکوک میں مبتلا ہیں، اب مذکورہ بالا باتوں میں سے چند پر تفصیل سے نظر ڈال لی جائے۔

قرآن یہ کہتا ہے کہ بچہ ماں کے پیٹ میں تین اندھیروں میں رہتا ہے، جس کو آج طبی سائنس نے ثابت کر دیا۔ بچہ کیسے اس شکل میں آتا ہے، قرآن نے بتلایا کہ اس کے اوپر سات مرحلوں میں عمل ہوتا ہے، جب اس شکل میں آتا ہے، اس کو بھی میڈیکل

سائنس نے تسلیم کر لیا ہے۔

مندرجہ بالا سلسلۂ کلام میں سورہ نمبر ۹۶ کی آیت نمبر ۲ کا ذکر بھی مناسب ہوگا۔ سورہ نمبر ۹۶ آیت نمبر ۲۔ جس (رب) نے پیدا کیا انسان کو علق سے شیخ الہند سے لفظ علق کا ترجمہ ''جما ہوا لہو''، مولانا مودودی نے ''جمے ہوئے خون کا لوتھڑا'' اور روشن چراغ میں ''خون کی پھٹکی'' کیا گیا ہے۔ عربی لغت کے مطابق علق سے مراد ''جونک'' سے بھی ہے۔

کینیڈا کی ٹورنٹو یونیورسٹی کے کچھ طلباء نے علم الجنین سے متعلق معطیات جمع کیں اور قرآن کی مندرجہ بالا آیت کو لیا۔ اس میں چونکہ ''علق'' کے معنی ''جونک'' لینے پر آیت کا مفہوم سمجھ میں نہیں آرہا تھا تو اُن طلباء نے اس کی وضاحت کے لئے مندرجہ بالا یونیورسٹی کے شعبہ اناٹومی کے پروفیسر کیتھ مور سے رجوع کیا۔ پروفیسر موصوف نے ماں کے پیٹ میں ٹھہرے حمل کی انسانی جنین کا ایک طاقت ور خوردبین کے ذریعہ مشاہدہ کیا تو پایا کہ وہ بالکل جونک کی طرح تھی۔ اس مشاہدہ پر وہ حیران و ششدر رہ گئے کہ چودہ سو سال پہلے کوئی انسان یہ بات کیسے کہہ سکتا تھا کیوں کہ اُس وقت حمل کے اندر انسانی جنین کے جانچنے اور مشاہدہ کرنے کا نہ تو کوئی طبیب ہی تصور کر سکتا تھا اور نہ اس طرح کی سہولیات ہی میسر تھیں۔ پروفیسر موصوف نے مزید کہا کہ اگر کوئی مذکورہ آیت کے آسمانی وحی کے ذریعہ نازل شدہ ہونے کا اقرار کرتا ہے تو اُن کو اُس پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔ جدید علم الجنین نے قرآنِ حکیم کی مذکورہ آیت کی وہ وضاحت پیش کی جو اس سے پہلے سمجھ میں نہیں آرہی تھی۔ ان باتوں کو پروفیسر کیتھ مور نے اپنی کتاب ''تمعیہ پاتا انسان'' کے تیسرے ایڈیشن میں شامل کیا ہے اور اسی پر انہیں ایوارڈ بھی ملا ہے۔

قرآن نے کہا ہے کہ تم زمین و آسمان کے کناروں سے نہیں نکل سکتے مگر طاقت کے ساتھ، اگر وہ طاقت حاصل کر لی تو نکل سکتے ہو، اور اس طاقت کو بھی بتلا دیا جو ایک راکٹ یعنی تیر سلطہ کی شکل کی ہوگی، جب سائنسدانوں نے تحقیق کی اور طاقت پر غور کیا تو ان کو پتہ چلا کہ خلاً کا سفر ممکن ہے تب انہوں نے زمین کی رفتار کو دیکھا کتنی ہے، اس کو دیکھ کر اس سے تیز رفتار کا راکٹ بنایا۔ مثلاً جب دو شخص دوڑتے ہیں تو تیز دوڑنے والا شخص آگے

نکل جاتا ہے، اگر برابر رفتار ہوگی تو برابر دوڑتے رہیں گے۔ ایسے ہی زمین کی رفتار کو دیکھ کر تیز رفتار کا راکٹ بنا کر سفر کر گئے اور چاند پر پہنچ گئے۔ اب چاند سے آگے بھی انسان کمند ڈال رہا ہے۔ راستے کے خطرات سے محفوظ رہنے کا انتظام کر رہا ہے، جو کر بھی لیا ہے۔ پہلے زمین و آسمان ملے ہوئے تھے پھر الگ ہوئے، یہ بھی آج کی سائنس نے ثابت کر دیا کہ ہاں ایسا ہی تھا قرآن کی بات کو مانا۔ اور یہ بھی بتلایا کہ یہ سب سیارے گردش کر رہے ہیں۔ جبکہ نزول قرآن کے کافی دنوں بعد تک دنیا والے یہ مانتے تھے کہ زمین ٹھہری ہوئی ساکن ہے۔ کسی کا قول تھا کہ یہ سانپ کے پھن پر قائم ہے، کوئی کہتا تھا کہ گائے کے سینگ پر ٹکی ہے، کوئی کہتا تھا کہ مچھلی پر ٹھہری ہے۔ کسی کا گمان تھا کہ یہ پانی پر تیر رہی ہے۔

جب ایک سائنس دان نے یہ اعلان کیا کہ زمین اپنے مدار میں گردش کر رہی ہے تو یوروپ میں اسے کافر کہا گیا، اور اسے سزائے حبس نصیب ہوئی۔ اس طرح کی پاداش ہر حق بات کہنے والے کو باطل کی طرف سے ملتی رہی ہے اور ملتی رہے گی والحق مرٌ مگر حق بات دبانا مشکل ہے وہ آواز گرجتی رہے گی۔ اور ان حقیقتوں کو سائنس داں مان گئے اور پکار اٹھے کہ پہلے جو نظریات تھے وہ غلط تھے، اور حقیقت میں۔ یہ سب سیارے گردش کر رہے ہیں۔ یہ سب باتیں اب سے غالباً تین چار سو سال قبل ہی تسلیم کی گئی ہیں جب کہ قرآن نے اب سے ۱۴۳۴ برس پہلے ہی اس حقیقت سے پردہ اٹھا دیا تھا۔

سائنس داں یہ بھی تسلیم کر رہے ہیں کہ یہ سب پہلے دھواں تھا پھر زمین و آسمان بنے اور وسعت پذیر ہیں فلک پھیل رہا ہے، حالانکہ یہ سب قرآن کی بتلائی ہوئی حقیقتیں ہیں۔ قرآن یہ بھی اعلان کر رہا ہے کہ زمین چاروں طرف سے کم ہو رہی ہے، اس کو بھی سائنس نے مان لیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ زمین کچھ تو بہت ہلکی رفتار سے مخالف سمت سے کھسک رہی ہے، جس کا دباؤ اندر ہوتا ہے۔ دوسرے زمین کے اندر بہت سے سیال اور ٹھوس مادّے ہیں جیسے تیل، گیس، پانی، کوئلہ، لوہا، چاندی، سونا، پتھر وغیرہ، ان کو نکالا جا رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ جب اس کے اندر سے برابر چیزیں نکالی جاتی رہیں گی تو یہ ضرور سکڑتی رہے گی یہ بات سمجھنے والوں کے لئے بہت آسان ہے۔

ایک بات جو بہت اہم ہے وہ یہ کہ زمین اندر سے بہت گرم ہے اور یہ بھی حقیقت ہے کہ زمین کی گرمی کو اعتدال پر رکھنے کے لئے پانی کی مقدار کافی ہونی چاہئے۔ جب بھی یہ مقدار کم ہوگی زمین کا درجۂ حرارت بڑھ جائے گا، جیسا کہ سائنس داں بتلا رہے ہیں کہ بہت جلدی میں ہی کرۂ ارض کا درجۂ حرارت مزید بڑھ جائے گا۔ اور آئندہ بڑھتا ہی رہے گا۔ اس طرح جب دھیرے، دھیرے زمین کے پانی کی مقدار اتنی کم ہو جائے گی جس کی وجہ سے زمین کی گرمی اعتدال پر نہیں رہے گی تو کیا ہوگا؟ قرآن کی اصطلاح میں قرآن کی گرج سنئے۔

تکویر ۸۱۔ آیت نمبر ۱ تا ۶:۔ جب سورج لپیٹ دیا جائے گا اور ستارے بے نور ہو جائیں گے اور جب پہاڑ چلائے جائیں گے۔ اور جب بیانے والی اونٹنیاں بیکار ہو جائیں گی، اور جب وحشی جانور جمع کئے جائیں گے اور سمندر آگ ہو جائیں گے یا بھڑکا دے جائیں گے۔

انفطار ۸۲۔ آیت ۱ تا ۳:۔ جب آسمان پھٹ جائے گا اور تارے جھڑ جائیں گے اور سمندر پھاڑ دے جائیں گے۔

اس اعلان سے یہ حقیقت سامنے آ رہی ہے کہ جب زمین میں پانی اتنا کم ہو جائے گا جو دھیرے دھیرے لاعلمی یا جان بوجھ کر خراب کیا جا رہا ہے جس سے زمین کی گرمی اعتدال پر نہیں رہ سکے گی۔ علاوہ ازیں زہریلی اور گرم گیسوں کے اخراج سے، جو کارخانوں سے برابر ہو رہا ہے، زمین کے چاروں طرف احاطہ کرنے والی اوزون کی پرت میں سوراخ ہو رہے ہیں جس کی وجہ سے سورج کی شعائیں بے روک ٹوک زمین کی سطح پر پڑنے لگی ہیں اور یہ کیفیت آئندہ اور بڑھ جانے کا قوی اندیشہ ہے۔ ان اسباب سے زمین کی گرمی اتنا خطرناک منظر پیش کرے گی کہ درجۂ حرارت بے انتہا بڑھ جائے گا اور اوپر کے سمندر ابل جائیں گے، اتنی گرمی ہوگی کہ زمین پر رہنے والے سب ختم ہو جائیں گے اور زمین کی چال بگڑ جائے گی جب ایک سیارے کی چال قابو سے باہر ہوگی تو سارے سیاروں کی چال بھی بے قابو ہو جائے گی۔ کیونکہ سب سیارے ایک دوسرے کی مقناطیسی کشش سے مربوط ہیں یہ مقناطیسی نظام زمین کا نظام بگڑنے سے ختم ہو جائیگا تو تمام سیارے ٹوٹ پھوٹ جائیں گے

اورقیامت برپا ہوجائے گی جس کوقرآن بڑے صاف الفاظ میں بتلا رہا ہے۔

اس بارے میں دو احادیث رسولؐ کا مفہوم بھی پڑھنے اور غور وفکر کے لائق ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔ جب سورج سوا نیزے پر ہوگا جانداروں کے مغز ہانڈی کی طرح اُبل جائیں گے، مطلب یہ نہیں کہ حقیقت میں سورج اتنا قریب ہوگا بلکہ زمین کی گرمی سے ایسا لگے گا کہ سورج ہی نیچے آ گیا ہے۔ کیونکہ اس وقت آدمی کو ہوش ہی نہیں ہوگا کہ وہ اندازہ کرسکے کہ زمین گرم ہوگئی ہے یا سورج نیچے آ گیا ہے، حضورؐ نے مثال دیکر سمجھایا ہے گرمی کی وجہ سے ایسا لگے گا گویا سورج ہی نیچے آ گیا ہے۔ دوسرا مفہوم حضورؐ نے پانی کو حساب سے خرچ کرنے کے بارے میں فرمایا ہے کہ اس کو غلط طریقے سے برباد نہ کرو اس کا حساب لیا جائے گا۔ پانی کے ضیاع کی سنگینی کو آج کی دنیا شدت سے محسوس کر رہی ہے۔ اور محافظین ماحولیات اس سمت میں بڑی تندہی سے کام کر رہے ہیں اور زمین کے پانی کو حساب سے خرچ کرنے کے بارے میں قانون بنا رہے ہیں اور غور کر رہے ہیں کہ زمین کے اندر پانی کی مقدار کو کیسے برقرار رکھیں جس سے درجہ حرارت ٹھیک رہے۔

قرآن یہ بھی اعلان کر رہا ہے کہ زمین میں پہاڑ بنائے جو زمین کے توازن کو قائم رکھتے ہیں۔ زمین کا توازن کیسے قائم رکھتے ہیں؟ زمین کے اندر پلیٹیں ہیں جو لرزتی ہیں ان کے لرزے کو اعتدال پر رکھنے کے لئے ان پہاڑوں کا وزن ہے اور ان پہاڑوں کی وجہ سے ہی برف باری ہوتی ہے، بارش ہوتی ہے پہاڑ بارش کے پانی کو زمین کے اندر بہا کر ہر جگہ پہنچاتے ہیں جو زمین کے اندر چشمے کی شکل میں بہتا ہے، جس کو بورنگ کرکے نکالتے ہیں، اور جگہ جگہ اپنے آپ بھی ابلتا ہے نیز پہاڑوں سے دریا نکلتے ہیں۔ ان سب سے انسانوں کی ضرورت پوری ہوتی ہے۔

جس طرح پہاڑ زمین کے توازن کو قائم رکھنے کے لئے مفید ہیں ایسے ہی زمین پر آباد مقتدر انسان چاہے بادشاہ ہوں، امیر ہوں یا عالم ہوں وہ بھی زمین پر مثل پہاڑ کے ہیں۔ اگر بڑے آدمیوں کے عمل ٹھیک ہیں تو عوام بھی ٹھیک رہیں گے اگر بڑے آدمی فسق و فجور میں مبتلا ہوں گے تو عوام بھی ایسے ہی ہوجائیں گے کیونکہ عوام بادشاہ کے طریقے پر

ہوتے ہیں۔

قرآن یہ بھی اعلان کر رہا ہے کہ سات آسمان اور سات زمین بنائے یعنی متعدد، تو سورج بھی اس حساب سے ہی بنائے، یہ بتلا کر اللہ نے یہ بھی اعلان کردیا کہ ہر آسمان میں حکم جاری ہوتا ہے، یہ اعلان بھی بہت اہم ہے یعنی اس سے یہ اشارہ مل رہا ہے کہ انسانی آبادی کسی اور کرۂ میں بھی ہوسکتی ہے جس کی تلاش ہو رہی ہے، اور یہ بھی کہا جا رہا ہے کہ ہمارے راڈار پر کچھ عجیب قسم کے اشارے مل رہے ہیں جو یقیناً کسی دوسرے کرۂ سے آتے ہوں گے، جس کے لئے، علامہ اقبال بھی یہ فرما گئے ہیں کہ "ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں"۔ "یہ کائنات ابھی ناتمام ہے شاید۔ کہ آ رہی ہے دمادم صدائے کن فیکون"، یعنی کائنات ہر لحظہ تغیر پذیر ہے، اور بہ سے بہتر کی طرف رواں دواں ہے مندرجہ بالا باتیں آج ثابت ہوچکی ہیں، جن پر انسان یقین کر رہا ہے اگر ان کے بارے میں چار سو سال پہلے کہا جاتا تو کوئی بھی یقین نہ کرتا، اور کہنے والے کو پاگل بتلایا جاتا اور اسے سزا بھی ملتی جیسے پہلے دی گئی ہے۔ ان کے علاوہ اور بھی حقیقتیں ہیں جن کو قرآن نے بیان کیا ہے جو سائنسی تحقیق سے آئندہ سچ ثابت ہونگی۔

اب ہم قارئین کی توجہ سورۂ یونس کی آیات نمبر ۹۰ لغایت نمبر ۹۲ کی طرف مبذول کراتے ہیں۔

سورۂ یونس آیات نمبر ۹۰ لغایت نمبر ۹۲

اور ہم بنی اسرائیل کو سمندر سے گزار لے گئے پھر فرعون اور اس کے لشکر ظلم اور زیادتی کی غرض سے ان کے پیچھے چلے۔ حتیٰ کہ جب فرعون ڈوبنے لگا تو بول اٹھا "میں نے مان لیا کہ خداوند حقیقی اُس کے سوا کوئی نہیں ہے جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے، اور میں بھی سرِ اطاعت جھکا دینے والوں میں سے ہوں" (جواب دیا گیا) اب ایمان لاتا ہے! حالانکہ اس سے پہلے تک تو نافرمائی کرتا رہا اور فساد کرنے والوں میں سے تھا۔ اب تو ہم صرف تیری لاش ہی کو بچائیں گے تاکہ تو بعد کی نسلوں کے لئے نشان عبرت رہے، اگرچہ بہت سے انسان ایسے ہیں جو ہماری نشانیوں سے غفلت برتتے ہیں۔

مندرجہ بالا آیات میں اُن واقعات کا ذکر کیا گیا ہے کہ جب حضرت موسیٰ اپنی قوم بنی اسرائیل کو فرعون کی ظلم و زیادتی سے بچانے کی غرض سے مصر سے لے کر چلے تو اللہ نے اپنے کرم سے بنی اسرائیل کو سمندر سے بخیر گزار دیا اور فرعون اور اس کے لشکر کو جو بنی اسرائیل کے تعاقب میں چلا آرہا تھا سمندر میں غرق کر دیا لیکن فرعون کی لاش کو بچا لیا تا کہ وہ بعد میں آنے والی نسلوں کے لئے نشانِ عبرت ثابت ہو۔ نزول قرآن کے وقت کسی کو معلوم نہ تھا کہ فرعون کی لاش کو کس طرح بچایا گیا۔ اور وہ کہاں اور کس مقام پر محفوظ ہے۔ اور کافی طویل عرصے بعد تک بھی اس بارے میں کچھ معلومات حاصل نہ تھیں۔ لیکن زمانہ حال کی تحقیق سے پتہ چلا ہے کہ فرعون، جس کے سمندر میں ڈوبنے کا ذکر مندرجہ بالا آیات میں کیا گیا ہے، کی ممی شدہ لاش آج بھی قاہرہ کے عجائب خانے میں موجود ہے۔ سن ۱۹۰۷ء میں سر گرافٹن اسمتھ نے اُس کی ممی پر سے جب پٹیاں کھولی تھیں تو اُس کی لاش پر نمک کی ایک تہ جمی ہوئی پائی گئی تھی جو کھارے پانی میں اُس کی غرقابی کا ایک بیّن ثبوت تھا۔

علاوہ ازیں ڈاکٹر موریس بکیلی نے فرعون کی ممی شدہ لاش پر تحقیق کی ہے۔ ڈاکٹر موریس بکیلی ایک فرانسیسی عیسائی طبیب تھا۔ جب اُس کو سورۂ یونس کی آیت نمبر ۹۲ جس میں (فرعون سے یہ کہا گیا کہ) ''اب تو ہم صرف تیری لاش ہی کو بچائیں گے تا کہ تو بعد کی نسلوں کے لئے نشانِ عبرت رہے'' دکھلائی گئی تو وہ سکتے میں آ گیا اور اُس کو اِس قدر تحریک ہوئی کہ اُس نے پچاس سال کی عمر میں عربی سیکھی اور قرآنِ کریم کا مطالعہ کیا اور اپنی شہرۂ آفاق کتاب ''بائبل، قرآن اور سائنس'' لکھی جس میں اُس نے لکھا ہے کہ بائبل کے مقابلہ میں قرآن جدید سائنس سے زیادہ مطابقت رکھتا ہے۔

مندرجہ بالا امر واقعہ بھی اِس کی ایک اور شہادت دے رہا ہے کہ قرآنِ حکیم نے کائنات اور تاریخ کے ایسے راز ہائے سربستہ سے پردہ اُٹھایا ہے جو بعد کی سائنسی تحقیق سے سچ ثابت ہوئے ہیں اور آئندہ کے لئے بھی اس طرح کی توقعات ہیں۔

لیکن افسوس تو یہ ہے کہ جن کے پاس یہ باتیں کتابِ حق میں آج سے تقریباً ۱۴۳۴ سال قبل آ چکی تھیں انہوں نے ان کی طرف سے آنکھیں بند کر لیں اور کچھ نہ کر سکے،

اور غضب یہ کیا کہ ان آیات کا ترجمہ ہی کچھ سے کچھ کر دیا۔ ضروری تھا کہ مسلمان دانشوران قرآن سے ان باتوں کی تحقیق کر کے دنیا کے سامنے پیش کرتے تو دنیا والے ضرور ان کی بات پر لبیک کہتے اور قرآن کو کتاب برحق تسلیم کرتے۔

مندرجہ بالا گزارشات سے یہ امر روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ کائنات کی تخلیق اور اس کے نظم کے بارے میں قرآن میں جو حقیقتیں بیان کی گئی ہیں وہ موجودہ دور کی سائنسی تحقیق سے سچ ثابت ہو چکی ہیں۔ لیکن غیر مسلموں کو اور بہت سے مسلمانوں کو اس بارے میں علم نہیں ہے۔ میں یہ بتلانا چاہوں گا کہ مغربی دنیا کے بہت سے غیر متعصب فلسفیوں اور دانشوروں نے قرآن کا غیر جانبدار مطالعہ کیا ہے۔ اور انہوں نے اسے آسمانی اور برحق کتاب تسلیم کیا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ موجودہ دور کے مسلمانوں کے اخلاق و کردار کے سبب وہ اسلام قبول کرنے سے گریزاں رہے جب جدید سائنسی تحقیق و نظریات سے قرآن کے بیانات کی تصدیق ہو رہی ہے تو اس کے آسمانی کتاب برحق ہونے میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہ جاتی۔ اور رشدی اور اسی کے طرح کے دوسرے مخالفین اسلام کے اعتراضات لغو اور بے بنیاد ثابت ہو جاتے ہیں۔ یہاں ایک اہم قابل غور نکتہ یہ ہے کہ اگر قرآن انسان کا تصنیف کردہ ہوتا تو اس میں محض ان ہی خیالات کا ذکر ہوتا جو اس زمانے میں مروّج تھے۔ لیکن اس کے برعکس قرآن نے کائنات سے متعلق ان حقیقتوں کو بیان کیا ہے، جن تک اس دور کے انسانی ذہن کو رسائی حاصل نہ تھی اور عام انسانوں کے لئے غیب کی حیثیت رکھتی تھیں۔ لہذا اس امر کے تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں کہ قرآن محض ایک عالم الغیب ہستی، جو صرف اللہ ہے، کا نازل کردہ ہے۔

کیا محمدؐ کو نبوت ملنے سے پہلے علم ہو گیا تھا کہ میں نبی بنایا جاؤں گا

تاریخ اور سیرت کی کتابوں میں اس بارے میں کیا لکھا ہے تحریر کیا جاتا ہے۔

(۱) ''جب آپؐ پچیس سال کے ہوئے تو حضرت خدیجہؓ بنت خویلد نے جو کہ قریش میں ایک مالدار بی بی تھیں اور تاجروں کو اپنا مال اکثر مضاربت پر دیتی رہا کرتی تھیں آپؐ کے صدق اور امانت و حسن معاملہ و اخلاق کی خبر سن کر آپ سے درخواست کی کہ میرا مال مضاربت پر شام کی طرف لے جایئے اور میرا غلام میسرہ آپ کے ساتھ جائیگا آپ نے قبول کیا یہاں تک کہ آپ شام میں پہونچے، اور کسی موقع پر آپ ایک درخت کے نیچے اترے وہاں ایک راہب کا صومعہ (خانقاہ) تھا اس راہب نے آپ کو دیکھا اور میسرہ سے پوچھا یہ کون شخص ہیں، میسرہ نے کہا کہ قریش اہل حرم میں سے ایک شخص ہیں۔ راہب نے کہا کہ اس درخت کے نیچے بجز نبی کے کوئی کبھی نہیں اترا۔ آپ شام سے خوب نفع لے کر واپس ہوئے۔ اور میسرہ نے دیکھا کہ جب دھوپ تیز ہوتی تھی تو دو فرشتے آپ پر سایہ کرتے تھے۔ اس راہب کا نام نسطورا تھا۔'' قابل غور یہ ہے کہ جب میسرہ کو وہ فرشتے نظر آرہے تھے تو دوسروں کو بھی آنے چاہئے تھے اور محمدؐ کو بھی ضروری نظر آتے ہوں گے؟ ماخوذ نشر الطیب ذکر النبی الحبیب ص ۲۹ ـ ۳۰ مولفہ مولوی اشرف علی تھانویؒ۔

(۲) ''پہلا سفر شام۔ آپ کی عمر ۱۲ سال کی تھی کہ ابو طالب ایک تجارتی قافلہ کے ہمراہ کچھ مال تجارت لے کر شام کی طرف جانے لگے اور آپؐ کو مکہ میں ہی چھوڑنا چاہا۔ چونکہ آپؐ ابو طالب کی کفالت میں آ کر ہمہ وقت ان کے ساتھ رہتے تھے۔ اس جدائی کو برداشت نہ کر سکے۔ ابو طالب نے بھتیجے کی دل شکنی گوارا نہ کی اور آپ کو بھی اپنے ہمراہ ملک شام کی طرف لے گئے۔ ملک شام کے جنوبی حصہ میں ایک مقام بصریٰ ہے۔ جب قافلہ وہاں پہونچا تو ایک عیسائی راہب نے جو وہاں رہتا تھا اور جس کا نام بحیرا تھا آپؐ کو دیکھا اور پہچان لیا کہ یہی نبی آخر الزماں ہیں۔ بحیرا ابو طالب کے پاس آیا اور کہا کہ یہ تمہارا بھتیجا نبی

معبوث ہونے والا ہے۔ اس کے اندر وہ علامات موجود ہیں جو نبی آخر الزماں کے متعلق توریت و انجیل میں لکھی ہیں۔ لہذا مناسب یہ ہے کہ تم اس کو آگے نہ لے جاؤ اور یہودیوں کے ملک میں داخل نہ ہو۔ مبادا اس کو کوئی گزند پہونچے۔ ابو طالب نے بحیرا راہب کی یہ باتیں سن کر اپنا مال جلدی جلدی وہیں فروخت کر دیا اور آپ کو لے کر مکہ معظّمہ کی طرف واپس چلے آئے۔ ابو طالب کو باوجود اس کے کہ ملک شام کے شہروں میں داخل نہیں ہوئے اس سفر میں بہت منافع ہوا۔ ایک روایت میں یہ بھی مذکور ہے کہ ابو طالب نے بحیرا راہب کی باتیں سن کر آپ کو وہیں سے مکہ کی طرف واپس بھجوا دیا اور خود قافلہ کے ہمراہ آگے چلے گئے۔ تاریخ اسلام ۹۳ ـ ۹۴ مصنف مولوی اکبر شاہ خاں صاحب

(۳) چنانچہ آپ خدیجہؓ کے مہتمم مال تجارت ہو کر شام کی طرف روانہ ہوئے اس سفر میں خدیجہؓ کے غلام میسرہ اور حضرت خدیجہ کے ایک عزیز خزیمہ ابن حکیم بھی آپ کے ہمراہ تھے۔ یہ تجارتی قافلہ جس کے ہمراہ آپ حضرت خدیجہؓ کا مال لے کر روانہ ہوئے تھے ملک شام میں داخل ہو کر ایک صومعہ (خانقاہ) کے قریب ٹھہرا۔ اس صومعہ میں ایک راہب رہتا تھا جس کا نام نسطورا تھا، نسطورا نے آنخضرتؐ کو دیکھا تو اپنے صومعہ سے بعض کتب سماویہ لے کر آیا اس نے آپؐ کے جسم اور چہرے کی دیکھ بھال شروع کی، کبھی آپ کو دیکھتا کبھی کتب سماویہ کو پڑھتا اور مقابلہ کرتا۔ اس عجیب کیفیت کو دیکھ کر خزیمہ کے دل میں شک پیدا ہوا اور اس نے بلند آواز سے ''یا آل غالب'' کہا یعنی آل غالب جلد مدد کرو۔ یہ آواز سن کر قافلہ کے تمام قریش دوڑ پڑے۔ نسطورا اس طرح قریش کو آتے دیکھ کو وہاں سے بھاگا اور اپنے صومعہ کی چھت پر جا بیٹھا وہاں سے قافلہ والوں کو بتلایا کہ خطرہ کی کوئی بات نہیں تھی میں اس شخص کا جو تمہارے ساتھ ہے کتب سماویہ کو دیکھ دیکھ کر معائنہ کر رہا تھا نبی آخر الزماں کے جو جو علامات اور خد و خال ہماری کتابوں میں لکھے ہیں وہ سب اس میں موجود ہیں۔ یہ سن کر سب کو اطمینان ہوا۔'' تاریخ اسلام ص ۹۵ ـ ۹۶ مصنف مؤرخ اسلام اکبر شاہ خاں صاحب۔

نسطورا سے منسوب ایک واقعہ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ آپ ایک درخت کے نیچے اترے، آپ کو دیکھ کر نسطورا نے بتلایا کہ یہ نبی ہیں کیونکہ اس درخت کے نیچے نبی ہی ٹھہرتا

ہے؟ اور یہاں نسطورا سے متعلق واقعہ دوسری طرح درج ہے جو پہلے سے متضاد ہے۔

روایات بالا کو پڑھ کر یہ بات سامنے آتی ہے کہ محمدؐ کو پہلے ہی علم ہو گیا تھا کہ میں نبی آخرالزماں ہونے والا ہوں، اور اس قافلے میں جتنے لوگ شامل تھے بشمول ابو طالب سب کو علم ہو گیا تھا کہ محمدؐ نبی ہوں گے۔ اس پیشگی علم کے بعد سب کو وقت آنے پر مسلمان ہو جانا چاہئے تھا، مگر کتب تواریخ میں ابو طالب کو آخر وقت تک اسلام سے خارج لکھا ہے؟ اب قرآن کی وہ آیات ملاحظہ کریں جن میں کہا گیا ہے کہ حضورؐ کو یہ امید نہ تھی یعنی علم کہ آپ نبی ہوں گے یا آپ پر کتاب نازل کی جائے گی۔

القصص آیت ۸۶:۔ اور تو توقع نہ رکھتا تھا کہ اتاری جائے تجھ پر کتاب مگر مہربانی سے تیرے رب کی۔ سو تو مت ہو مددگار کافروں کا۔

الشوریٰ آیت ۵۲:۔ اور اسی طرح بھیجا ہم نے تیری طرف ایک فرشتہ اپنے حکم سے تو نہ جانتا تھا کہ کیا ہے کتاب اور نہ ایمان ولیکن ہم نے رکھی ہے یہ روشنی اس سے راہ سجھا دیتے ہیں جس کو چاہیں اپنے بندوں میں۔ اور بے شک تو سجھاتا ہے سیدھی راہ (اور آپ اس تلاش میں تھے)

تاریخ اور سیرت کی کتابوں میں درج مندرجہ بالا روایات میں کہا گیا ہے کہ حضورؐ کو پہلے سے علم تھا کہ میں نبی بنایا جاؤں گا۔ اگر یہ بات صحیح مان لی جائے تو مخالفین یہ اعتراض کرنے میں حق بجانب ہوں گے کہ اس علم کی بنا پر محمدؐ نے وقت آنے پر اعلان کر دیا کہ میں نبی ہوں مگر یہ روایت نہ صرف بعید از قیاس ہیں بلکہ قرآن کے اس واضح بیان کے خلاف ہیں جو مندرجہ بالا آیات میں مذکور ہے۔ قرآن میں کہا گیا ہے کہ بعثت سے پہلے محمدؐ کو اس امر کا کوئی علم نہیں تھا کہ ان کو آئندہ نبی بنایا جائے گا۔ یہ تو اللہ کی رحمت ہے کہ آپ کو منتخب فرمایا۔ اور نبی بنایا۔ اب غور کرنا ہمارا فرض ہے کہ کیا مانیں۔ حقیقت میں محمدؐ کو نبوت ملنے سے پہلے یہ علم نہ تھا کہ میں نبی بنایا جاؤں گا۔ یہ علم تو اللہ نے چالیس سال کی عمر میں دیا۔ جب آپ کو نبوت عطا فرمائی۔ مزید یہ کہ قرآن کا بیان ہی صرف حرف آخر ہے، اور حق و سچ ہے اور اس کے برعکس جتنی بھی روایتیں ہیں وہ سب قابل رد ہیں۔

کیا آپ کا شق صدر کیا گیا

تاریخ، سیرت اور احادیث کی کتابوں میں کثرت کے ساتھ لکھا ملتا ہے کہ حضورؐ کا سینہ متعدد بار شق کیا گیا تفصیل ذیل میں درج ہے۔

کتاب نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب مؤلفہ مولوی تھانویؒ

ص ۲۵ ''یہاں تک کہ دو سال کی عمر میں اچھے بڑے معلوم ہونے لگے پھر ہم آپ کو آپ کی والدہ کے پاس لائے مگر آپ کی برکت کی وجہ سے ہمارا جی چاہتا تھا کہ آپ اور رہیں۔ اس لئے آپ کی والدہ سے اصرار کر کے وباء مکہ کے بہانے سے پھر اپنے گھر لے آئے۔ سو چند مہینے بعد ایک بار آپؐ اپنے رضاعی بھائی کے ساتھ مواشی میں پھر رہے تھے، کہ یہ بھائی دوڑتا ہوا آیا اور مجھ سے اور اپنے باپ سے کہا کہ میرے قریشی بھائی کو دو سفید کپڑے والے آدمیوں نے پکڑ کر لٹا لیا اور شکم چاک کیا۔ میں اسی حال میں چھوڑ کر آیا ہوں۔ سو ہم دونوں گھبرائے ہوئے گئے، دیکھا کہ آپ کھڑے ہیں مگر رنگ (خوف سے) متغیر ہے میں نے پوچھا بیٹا کیا تھا؟ فرمایا دو شخص سفید کپڑے پہنے ہوئے آئے اور مجھے لٹایا اور پیٹ چاک کر کے اس میں کچھ ڈھونڈ کر نکالا معلوم نہیں کیا تھا۔ ہم آپ کو اپنے ڈیرے پر لائے اور شوہر نے کہا حلیمہ اس لڑکے کو آسیب کا اثر ہوا ہے قبل اس کے کہ اس کا اثر زیادہ ہو ان کے گھر پہنچا آ۔''

ص ۳۵۔۳۶۔ آپ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں حطیم میں تھا۔ بخاری ''دوسری روایت میں ہے کہ آپ شعیب ابو طالب میں تھے'' واقدی۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ ام ہانی کے گھر تھے رواہ الطبرانی، اور ایک روایت میں ہے کہ آپ اپنے گھر میں تھے اور چھت کھولی گئی بخاری) ایک روایت میں ہے کہ جبرئیلؑ آئے۔ ایک روایت میں ہے کہ تین شخص آئے۔ آئندہ شب پھر وہی تینوں آئے اور کچھ بولے نہیں اور آپ کو اٹھا لے گئے (رواہ البخاری) یہ حالت کہ کچھ سوتے تھے کچھ جاگتے تھے۔۔۔ اور طبرانی ہی میں ہے کہ اوّل جبرئیل و میکائیل آئے اور یہ گفتگو کر کے چلے گئے پھر تین آئے۔ اور مسلم میں ارشاد نبوی ہے کہ میں نے ایک

کہنے والے کو سنا کہ کہتا ہے کہ ان تین میں ایک شخص ہیں جو دو کے بیچ میں ہیں اور مواہب میں ہے کہ مراد اُن دو شخصوں سے حضرت حمزہ و حضرت جعفر ہیں کہ حضورؐ ان دونوں کے درمیان سو رہے تھے۔ اوّل آپ کا سینہ اوپر سے اسفل بطن تک چاک کیا گیا اور آپ کا قلب نکالا گیا اور ایک زریں طشت میں زمزم شریف کا پانی تھا اس سے آپ کا قلب دھویا گیا۔ پھر ایک اور طشت آیا جس میں ایمان اور حکمت تھا وہ قلب میں بھر دیا گیا۔ اور اس کے اصل مقام پر اس کو رکھ کر درست کر دیا گیا۔ (ایسے ہی مسلم نے روایت کیا ہے)

کتاب تاریخ اسلام مصنف اکبر شاہ خان صاحب ص ۹۱ ''آپ کی عمر تقریباً پانچ سال کی تھی اور آپ اپنے رضاعی بھائی بہنوں یعنی حلیمہ کے بچوں اور بنی سعد کے ہم عمر لڑکوں کے ساتھ گھر سے باہر بکری چرا رہے تھے کہ واقعۂ شقِ صدر وقوع میں آیا۔ ابن ہشام کی روایت کے موافق بنت ابی ذویب اس واقعہ کو اس طرح بیان کرتی ہیں کہ ایک روز میرے دونوں بچے ڈرے ہوئے میرے پاس آئے اور کہا کہ دو سفید پوش آدمی ہمارے قریشی بھائی کو پکڑ کر لے گئے اور ان کا سینہ چاک کر ڈالا میں اور میرا شوہر (حارث بن العزیٰ) دونوں اس مقام پر گئے، دیکھا خوف کے مارے آپ کا رنگ فق ہے، میں نے دوڑ کر آپ کو گلے لگا لیا اور حال دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ دو سفید پوش آدمی میرے پاس آئے اور مجھ کو چت لٹا کر میرا سینہ چاک کیا میرا دل نکالا، پھر اس میں سے کوئی چیز نکالی۔ حلیمہ نے دیکھا تو کسی زخم یا خون کا نشان نہ تھا''

ص ۹۲ صحیح مسلم میں انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ ایک روز جب آپ مکہ میں لڑکوں کے ساتھ کھیل رہے تھے، حضرت جبرئیل آپ کے پاس آئے آپ کا دل چیرا اور ایک قطرہ نکال کر کہا کہ یہ شیطان کا حصہ تھا۔ بعد اس کے آپ کا دل سونے کے طشت میں آب زمزم سے دھویا پھر اس کو بجنسہ جہاں تھا رکھ دیا۔''

عبارات بالا مستند کتابوں سے لکھی گئیں ہیں مصنف عالم بھی ہیں اور مستند بھی، مگر ان میں کتنا اختلاف ہے دیکھیں کہ ایک میں ہے کہ آپ ۲ سال چند ماہ کے تھے اور آپ مواشی میں گھوم رہے تھے جب شق صدر ہوا۔ تاریخ کے مطابق یہ واقعہ تقریباً ۵ سال کی عمر

میں وقوع پزیر ہوا۔ اُس وقت آپ بکریاں چرا رہے تھے۔ دوسری بار شقِ صدر کے بارے میں ایک کتاب میں لکھا ہے کہ آپ حطیم میں تھے، شعب ابی طالب میں تھے، یا ام ہانی کے گھر میں تھے۔ کسی میں کہ سو رہے تھے، کسی میں ہے جاگ رہے تھے۔ ایک میں ہے صرف جبرائیلؑ آئے دوسری میں ہے تین آدمی آئے۔ پھر دوسری رات میں آئے اور سینہ چیر کر اس کو دھویا گیا۔ یہی واقعہ تاریخ میں ہے کہ آپ مکہ میں لڑکوں کے ساتھ کھیل رہے تھے جب شق صدر ہوا اور اس میں سے ایک قطرہ نکال کر کہا کہ یہ شیطان کا حصہ تھا؟

دیکھیے کتنا اختلاف ہے اور سب سے بڑی بات یہ کہ شیطان کا حصہ نکالا گیا، یا کوئی چیز نکالی گئی، کیا حضورؐ کے دل میں بھی شیطان کا حصہ پرورش پا رہا تھا جس کو آپریشن کر کے نکالا گیا (نعوذ) ان سب اختلافات اور واقعات کو دیکھ کر یہی کہا جا سکتا ہے کہ شق صدر کا کوئی واقعہ نہیں ہوا یہ سب من گھڑت روایات کا ہی کرشمہ ہے۔

ان روایات سے دو باتیں سامنے آتی ہیں، ایک یہ کہ آپؐ کے سینہ یا دل میں کوئی ایسی چیز تھی جسے باہر نکال کر یا دھو کر صفائی کی گئی۔ اس سے سینۂ اطہر کی پاکی پر سوالیہ نشان لگتا ہے جو اہانت رسول کے مترادف ہے۔ دوسرے یہ کہ اللہ عالم الغیب ہے۔ اُس نے روز ازل ہی یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ محمدؐ کو نبی آخر الزماں بنایا جائیگا، اس لئے اللہ کی طرف سے آپؐ کی تخلیق اور پیدائش جملہ صفاتِ معصومیت اور پاکبازی کے ساتھ کی گئی اور سینۂ اطہر اور قلب مبارک کو پاک، صاف و شفاف تخلیق فرمایا گیا جو ہر طرح کی آلائشوں سے پاک، صاف تھے۔ حضورؐ معصوم پیدا ہوئے اور عمر بھر معصوم رہے۔ آپ اللہ کی حفاظت میں تھے اور شیطان کی دست بُرد سے قطعی باہر۔ ایسی صورت میں سینۂ اطہر اور قلب مبارک کی صفائی کی ضرورت کہاں سے پیش آ گئی؟ اور اس میں شیطان کا حصہ کہاں سے نکل آیا؟ لہذا یہ روایتیں شان رسولؐ اور ان کے بلند مقام کے منافی ہیں اور امت مسلمہ کو ان کی تردید کرنا چاہئے۔

حفیظ میرٹھی مرحوم کا شعر ہے۔

بے مثل صحیفے کی طرح سینۂ اطہر + جزدان کی مانند گریبانِ محمدؐ

کیا غارِ حرا میں پہلی وحی آنے پر آپ کو علم نہ ہوا کہ میں نبی بنا دیا گیا ہوں؟

بخاری میں کیا لکھا ملتا ہے اسے دیکھا جائے۔ کتاب الوحی ص ۵۸۔۵۹ حدیث نمبر ۳ ام المومنین عائشہؓ سے (روایت ہے) کہ انہوں نے کہا سب سے پہلی وحی جو رسولؐ پر شروع ہوئی وہ اچھے خواب تھے۔ پس جو خواب آپ دیکھتے تھے۔ وہ (صاف صاف) صبح کی روشنی کے مثل ظاہر ہو جاتا تھا (پھر خدا کی طرف سے) خلوت کی محبت آپ کو دیدی گئی اور آپ غار حرا میں خلوت فرمایا کرتے تھے اور وہاں آپ تحنث کیا کرتے تھے تحنث (کے معنی) کئی رات (لگا تار) عبادت کرنا بغیر اس کے کہ اپنے گھر والوں کے پاس لوٹ کر آتے اور آپ اس کے لئے زادراہ (ہمراہ) لے جایا کرتے تھے (جب وہ ختم ہو جاتا) خدیجہؓ کے پاس لوٹ کر آتے اور اسی قدر زادِراہ لے جاتے، یہاں تک کہ آپ کے پاس وحی آ گئی۔ اور آپ غار حرا میں تھے یعنی فرشتہ آپ کے پاس آیا اور اس نے (آپ سے) کہا کہ پڑھو! آپ نے فرمایا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ آپ فرماتے ہیں پھر فرشتے نے مجھے پکڑ لیا اور مجھے (زور سے) دبایا یہاں تک کہ مجھے تکلیف ہوئی پھر مجھے چھوڑ دیا اور کہا کہ پڑھیے تو میں نے کہا میں پڑھا ہوا نہیں ہوں پھر۔۔۔۔ فرشتے نے مجھے پکڑ لیا اور (زور سے) دبایا یہاں تک کہ مجھے تکلیف ہوئی پھر چھوڑ دیا اور کہا پڑھیے تو میں نے کہا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ آپ فرماتے ہیں کہ فرشتے نے مجھے پھر پکڑ لیا اور سہ بارہ مجھے زور سے دبایا اور مجھ سے کہا کہ اِقراء باسم ربک الخ۔ اپنے پروردگار کے نام (کی برکت) سے پڑھو! جس نے (ہر چیز کو) پیدا کیا انسان کو خون بستہ سے پیدا کیا اور (یقین کرو کہ) تمہارا پروردگار بڑا بزرگ ہے۔ پس رسول کا دل اس واقعہ کے سبب سے (مارے خوف کے) ہلنے لگا اور آپ خدیجہؓ کے پاس تشریف لائے اور وہاں لوگوں سے کہا کہ مجھے کمبل اڑھا دو مجھے کمبل اڑھا دو۔ ان لوگوں نے آپ کو کمبل اڑھا دیا۔ یہاں تک کہ (جب) آپ کے دل سے خوف جاتا رہا تو آپ نے خدیجہؓ سے سب حال (جو غار میں گزرا تھا) بیان کر کے کہا کہ بلا شبہ مجھے اپنی جان کا

خوف ہے۔ خدیجہؓ بولیں کہ (آپ کو اس قسم کا خیال کرنا) ہرگز نہیں (چاہئے) خدا کی قسم اللہ آپ کو کبھی پریشان نہ کرے گا یقیناً آپ قرابت کی پاسداری کرتے ہیں اور (خدا کی راہ میں) مدد کرتے ہیں پھر خدیجہؓ آپ کو لے کر چلیں اور ورقہ بن نوفل اپنے چچا کے بیٹے کے پاس آپ کو لائیں اور ورقہ ایک شخص تھا جو زمانہ جاہلیت میں نصرانی ہو گیا تھا اور عبرانی کتاب لکھا کرتا تھا۔ یعنی جس قدر اللہ کو منظور ہوتا تھا انجیل کو عبرانی میں لکھا کرتا تھا اور بڑا بوڑھا آدمی تھا کہ بینائی جا چکی تھی تو اس سے خدیجہؓ نے کہا کہ اے میرے چچا کے بیٹے (یعنی بھائی) اپنے بھتیجے[1] (نبی) سے ان کا حال سنو ورقہ بولے اے میرے بھتیجے تم کیا دیکھتے ہو؟ رسولؐ نے جو کچھ دیکھا تھا ان سے بیان کر دیا تو ورقہ نے آپ سے کہا کہ یہ وہ فرشتہ ہے جسے اللہ نے موسیٰ پر نازل کیا تھا۔ اے کاش میں اس زمانے میں (جب آپ نبی[2] ہوں گے) جوان ہوتا۔ اے کاش میں (اس وقت تک) زندہ ہی رہتا جب کہ آپ کو آپ کی قوم (مکہ سے نکالے گی) رسول اللہ (آپؐ) نے یہ سن کر بہت تعجب سے) فرمایا کہ کیا یہ لوگ مجھے نکالیں گے؟ ورقہ نے کہا ہاں جس شخص نے آپ کی جیسی بات بیان کی اس سے (ہمیشہ) دشمنی کی گئی اور اگر مجھے آپ کے نبوت کا زمانہ مل گیا تو میں آپ کی بہت زوردار مدد کروں گا۔ مگر چند ہی روز کے بعد ورقہ کی وفات ہو گئی اور وحی (کی) آمد چند روز کے لئے سست ہو گئی۔

[1] ورقہ خدیجہ کے چچا کے بیٹے تھے گویا بھائی پھر حضورؐ ان کے بھتیجے کیسے ہوئے

[2] گویا اس وقت آپ نبی نہیں تھے؟

زہری کہتے ہیں مجھ سے ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن انصاری نے اور انہوں نے جابر سے نقل کیا کہ آنحضرت وحی کے بند ہونے کا حال بیان کرنے لگے تو اسی بیان میں (یہ بھی) فرمایا کہ (ایک دن) اس حال میں کہ میں چلا جا رہا تھا یکا یک میں نے آسمان سے ایک آواز سنی میں نے اپنی نظر اٹھائی تو (کیا دیکھتا ہوں کہ) وہی فرشتہ جو غار حرا میں میرے پاس آیا تھا ایک کرسی پر زمین و آسمان کے درمیان میں معلق بیٹھا ہوا ہے میں اس (کے دیکھنے) سے ڈر گیا پھر لوٹ آیا تو میں نے (گھر آ کر) کہا مجھے کمبل اڑھا دو مجھے کمبل اڑھا دو (پھر اسی حال

میں اللہ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں یاَیُّھَا المدثر۔۔۔اے کپڑا اوڑھنے والے اٹھ کھڑا ہو
اور (لوگوں کو عذاب الٰہی سے) ڈرا اور اپنے پروردگار کی بزرگی بیان کر اور اپنے کپڑوں کو
پاک رکھ اور ناپاکی (یعنی بتوں ا کی پرستش) کو چھوڑ دے پھر وحی (کی آمد خوب) گرم ہوگئی
اور لگاتار آنے لگی گویا آپ حضورؐ بتوں کی پوجا کرتے تھے (نعوذ)

یہ تو احادیث کی روایتیں ہیں۔اب قرآن کا فرمان ملاحظ ہو۔

سورہ طٰہٰ آیت ۱۰ جب دیکھی اس نے ایک آگ تو کہا اپنے گھر والوں کو ٹھہرو میں نے دیکھی ہے ایک آگ شاید لے آؤں تمہارے پاس اس میں سے سلگا کر یا پاؤں آگ پر پہنچ کر رستہ کا پتہ آیت ۱۱ پھر جب پہنچا آگ کے پاس آواز آئی اے موسیٰ ۱۲ میں ہوں تیرا رب سو اتار ڈال اپنی جوتیاں تو ہے پاک میدان طویٰ میں۔

۱۳۔اور میں نے تجھ کو پسند کیا ہے سو تو سنتا رہ جو وحی ہو۔

۱۴۔میں جو ہوں اللہ ہوں، کسی کی بندگی نہیں سو میری بندگی کر اور نماز قائم رکھ میری یادگاری کو۔

۱۵۔قیامت بے شک آنے والی ہے میں مخفی رکھنا چاہتا ہوں اس کو تاکہ بدلہ ملے ہر شخص کو جو اس نے کمایا ہے۔

۱۶۔سو کہیں تجھ کو نہ روک دے اس سے وہ شخص جو یقین نہیں رکھتا اس کا اور پیچھے پڑ رہا ہے اپنے مزوں کے پھر تو بھی پٹکا جائے۔

۱۷۔اور یہ کیا ہے تیرے داہنے ہاتھ میں اے موسیٰ۔

۱۸۔بولا یہ میری لاٹھی ہے، اس پر ٹیک لگاتا ہوں اور پتے جھاڑتا ہوں اس سے اپنی بکریوں پر اور میرے اس میں چند کام ہیں اور بھی۔

۱۹۔ڈال دے اس کو اے موسیٰ

۲۰۔تو اس کو ڈال دیا پھر اسی وقت وہ سانپ ہو گیا دوڑتا ہوا۔

۲۱۔فرمایا پکڑ لے اس کو اور مت ڈر ہم ابھی پھیر دیں گے اس کو پہلی حالت پر۔

۲۲۔اور ملا لے اپنا ہاتھ اپنی بغل سے نکلے سفید ہو کر بلا عیب یہ نشانی دوسری۔

۲۳۔تاکہ دکھاتے جائیں ہم تجھ کو اپنی نشانیاں بڑی۔

۲۴۔جا طرف فرعون کی کہ اس نے بہت سر اٹھایا۔

۲۵۔۲۶۔بولا اے رب کشادہ کر میرا سینہ۔اور آسان کر میرا کام۔

۲۷۔اور کھول دے گرہ میری زبان سے۔

۲۸۔۲۹۔کہ سمجھیں میری بات۔اور دے مجھ کو ایک کام بٹانے والا میرے گھر کا۔

۳۰۔۳۱۔ہارون میرا بھائی۔اس سے مضبوط کر میری کمر۔

۳۲۔اور شریک کر اس کو میرے کام میں۔

۳۳۔کہ تیری پاک ذات کا بیان کریں ہم بہت سا۔

۳۴۔اور یاد کریں ہم تجھ کو بہت ۳۵۔تو تو ہے، ہم کو خوب دیکھتا۔

۳۶۔فرمایا ملا تجھ کو تیرا سوال اے موسیٰ۔

تقریباً یہی مضمون سورت النمل ۲۷ آیت ۷ سے ۱۲ اور یہی بات سورت القصص ۲۸ آیت ۲۹ تا ۳۵ تک ہے۔

سورہ انعام آیت ۳۴۔اور کوئی نہیں بدل سکتا اللہ کی باتیں اور تجھ کو پہنچ چکے ہیں کچھ حالات رسولوں کے۔

الکہف ۱۸ آیت ۲۷۔اور پڑھ جو وحی ہوئی تجھ کو تیرے رب کی کتاب سے کوئی بدلنے والا نہیں اس کی باتیں اور کہیں نہ پائے گا تو اس کے سوا چھپنے کی جگہ۔

النساء آیت ۸۲۔کیا غور نہیں کرتے قرآن میں اگر یہ ہوتا کسی اور کا سوا اللہ کے تو ضرور پاتے اس میں بہت تفاوت (اختلاف)۔

سورہ طٰہٰ میں ہے کہ حضرت موسیٰ کو جب نبوت ملی اور پہلی بار آپ پر وحی کی گئی، جیسا کہ اوپر لکھا ہے، اس میں صاف ہے کہ اللہ نے بڑے پیار سے قاعدے کے مطابق بتلایا کہ اے موسیٰ تم کو نبی بنا دیا گیا ہے۔ یہ میرے احکام ہیں اور یہ معجزے دئے جا رہے ہیں ان کو لے کر فرعون کے پاس جاؤ موسیٰ نے کہا کہ میرے بھائی کو میرا مددگار بنا دے، اللہ نے کہا کہ یہ بھی پورا کیا۔دوسری جگہ النمل اور القصص میں ہے کہ جب اللہ موسیٰ سے ہم کلام ہوا یعنی وحی

کی اور موسیٰ نے اپنا عصاء زمین پر ڈال دیا اور سانپ بن گیا تو موسیٰ کو کچھ خوف محسوس ہوا فوراً ہی اللہ نے بڑے پیار شفقت سے دلاسہ دیا کہ اے موسیٰ نبی اللہ کے دربار میں ڈرا نہیں کرتے۔

اللہ نے جب کسی اپنے منتخب معصوم بندے کو نبی بنایا تو پہلے اس کی تربیت کی اس کی زندگی کو بے داغ رکھا جس سے آگے چل کر کوئی اس کو اور اس کی امت (روحانی اولاد کو) شرمندہ نہ کرے۔ اور وقت آنے پر بڑے اچھے انداز میں اس کو بتلا دیا کہ اب سے تم نبی ہوگئے جاؤ اپنا کام کرو اور ڈرنا مت میں تمہارے ساتھ ہوں۔ جیسا کہ حضرت موسیٰ کے بارے میں آیات سے ظاہر ہے۔ پس اللہ کا یہی قاعدہ ہے اور اللہ کی سنت نہ بدلتی ہے اور نہ ہی اس کے فرمودات میں اختلاف ہے اور حقیقت یہی ہے قرآن کریم کے فرمودات کی روشنی میں بخاری کی روایات کو پرکھا جائے تو صاف طور پر عیاں ہوجاتا ہے کہ بخاری کی روایات قرآن کے فرمودات کے قطعی خلاف ہیں۔ ہر مومن کے لئے لازم ہے کہ وہ قرآن پر پورے طور پر ایمان اور یقین رکھے۔ اس کلیہ کی رو سے اللہ نے حضرت موسیٰ کے لئے جو طریقہ اپنایا ہے وہی ہمارے آقا حضرت محمدؐ کے لئے بھی اپنایا ہے نہ کہ بغیر کچھ بتلائے پکڑ کر دبانا اور اتنا دبانا کہ آپ خوف زدہ ہوگئے اور گھر آکر کمبل اوڑھ کر پڑ گئے۔ بعد میں ورقہ بن نوفل نے دور بیٹھے بتلایا کہ وہ جبرئیل تھے اور آپ نبی بنائے جائیں گے۔ ہمیں یہ یاد رکھنا چاہئے کہ اللہ کی سنت ایک ہے اور انبیاء کی بعثت کے سلسلہ میں ایک ہی معیار اختیار کیا گیا ہے۔ اس لئے جو طریقہ حضرت موسیٰ کے لئے اختیار کیا گیا وہی محمدؐ کے لئے اپنایا گیا اور اللہ نے بڑے پیار کے ساتھ جبرئیل کے ذریعہ بتلا دیا اور محمدؐ کو فوراً علم ہوگیا کہ آپؐ نبی ہوگئے ہیں اس کے بعد آپ نے تبلیغ دین شروع کردی جس سے متاثر ہوکر پہلے دن ہی چار افراد اسلام میں داخل ہوگئے۔ اس کے برعکس کتب احادیث وسیرت میں جو کچھ روایات درج ہیں وہ قرآن میں بیان اللہ کی سنت کے خلاف ہیں اور قابل رد ہیں۔

کیا آپؐ اُمّی بمعنیٰ اَن پڑھ تھے؟

حضرت محمدؐ کے لئے قرآن میں ایک لفظ اُمّی آیا ہے۔ اور ان کی قوم کو بھی اسی لفظ سے خطاب کیا گیا ہے۔ اس لفظ کی وجہ سے آپ کو ان پڑھ مان لیا گیا ہے۔ لفظ اُمّی سے کیا مراد ہے؟ اس کے حقیقی معنی ومفہوم کیا ہیں؟ اس کے لئے قرآن کی مندرجہ ذیل آیات ملاحظہ ہوں۔

الاعراف ۷ آیت ۱۵۷: ۔ پس آج یہ رحمت ان لوگوں کا حصہ ہے جو اس رسول نبی امی کی پیروی اختیار کریں، جن کا ذکر انہیں اپنے یہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا ملتا ہے۔ وہ انہیں نیکی کا حکم دیتا ہے۔ برائی سے روکتا ہے، ان کے لئے پاک چیزیں حلال کرتا ہے اور ناپاک چیزیں حرام کرتا ہے، اور ان پر سے وہ بوجھ اتارتا ہے جو ان پر لدے ہوئے تھے اور وہ قیدیں کھولتا ہے جن میں وہ جکڑے ہوئے تھے۔ لہذا جو لوگ اس پر ایمان لائیں اور اس کی حمایت ونصرت کریں اور اس روشنی کی پیروی اختیار کریں جو اس کے ساتھ نازل کی گئی ہے۔ وہی فلاح پانے والے ہیں۔ بقرہ آیت نمبر ۷۸: ۔ اور بعض ان میں اُمّی ہیں کہ خبر نہیں رکھتے کتاب کی سوائے جھوٹی آرزوؤں کے اور ان کے پاس کچھ نہیں مگر خیالات۔ ۷۹: ۔ سو خرابی ہے ان کو جو لکھتے ہیں کتاب اپنے ہاتھ سے پھر کہہ دیتے ہیں یہ خدا کی طرف سے ہے تاکہ لیویں اس پر تھوڑا سا مول، سو خرابی ہے ان کو اپنے ہاتھوں کے لکھے سے اور خرابی ہے ان کو اپنی اس کمائی سے۔

آل عمران آیت ۷۵: ۔ اور بعضے اہل کتاب میں وہ ہیں کہ اگر ان کے پاس امانت رکھے ڈھیر مال کا تو ادا کردیں تجھ کو۔ اور بعضے ان میں وہ ہیں کہ اگر تو ان کے پاس امانت رکھے ایک اشرفی تو ادا نہ کریں تجھ کو مگر جب تک کہ تو رہے اس کے سر پر کھڑا۔ یہ اس واسطے کہ انہوں نے کہہ رکھا ہے کہ نہیں ہے ہم پر اُمّی لوگوں کے حق میں کچھ گناہ۔ وہ جھوٹ بولتے ہیں اللہ پر اور وہ جانتے ہیں۔

چونکہ بنی اسماعیل میں تعلیم کی کمی تھی اور وہ اس وقت کی کتاب وشریعت سے

نا آشنا تھے۔اور حضرت محمدؐ سے پہلے بنی اسماعیل میں کسی نبی کی بعثت نہیں ہوئی جب کہ اس دوران بنی اسرائیل کے اندر بہت سے نبی آئے، اور انہیں کتاب بھی ملی۔اس کے برعکس بنی اسماعیل کو قرآن سے پہلے کتاب بھی نہیں ملی۔اس وجہ سے بنی اسرائیل بنی اسماعیل کو امی بغیر اہل کتاب کہتے تھے اور یہ لفظ بنی اسرائیل تحقیر کے پہلو سے استعمال کرتے تھے۔لیکن اُمیّت و بدویت اور کتاب و شریعت سے بیگانگی چونکہ بطور امر واقعہ ان کے اندر موجود تھی اس وجہ سے قرآن میں اس لفظ کو ان کے لئے بطور امتیازی لقب کے استعمال کیا، اور حضورؐ اور صحابہ نے بھی اس لفظ کو بلا کسی احساس کمتری کے استعمال کیا، گویا بنی اسرائیل کے بالمقابل یہ لفظ ان کے لئے ایک امتیازی لقب تھا بنی اسماعیل کے لئے لفظ امّی بطور لقب استعمال ہوتا ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ مدرسے کی تعلیم سے نا آشنا اپنی بدویانہ سادگی پر قائم تھے اور لکھنا پڑھنا صرف اپنے قبیلے کے افراد سے ہی حاصل کرتے تھے، جو چلتے پھرتے اور گھر پر رہتے ہوئے ہو جاتی تھی۔اس طرح یہ لفظ امتیازی تھا۔ہوسکتا ہے عربوں کے لئے اس لفظ کے استعمال کا آغاز اہل کتاب سے ہی ہوا ہو، لیکن یہ بات واضح ہے کہ اس لفظ کے استعمال میں عربوں کے لئے تحقیر کا کوئی پہلو نہیں تھا۔چنانچہ قرآن نے اس لفظ کو عربوں کے لئے ان کو اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ سے ممیّز کرنے کے لئے استعمال کیا ہے۔اس پہلو سے آنحضرتؐ کے لئے بنی اُمی کا لقب استعمال ہوا ہے نہ کہ ان پڑھ ہونے کی وجہ سے۔بنی پڑھے ہوئے تھے، اس کا ثبوت بھی قرآن میں موجود ہے۔دوسری بات یہ کہ مکہ کو ام القریٰ کہا جاتا ہے جو قرآن میں درج ہے۔

سورت انعام آیت ۹۲:۔اور اس لئے نازل کی گئی ہے کہ اس کے ذریعہ تم بستیوں کے اس مرکز (یعنی اُمّ القریٰ) اور اس کے اطراف میں رہنے والوں کو متنبہ کر دو۔

الشوریٰ آیت ۷:۔ہاں اسی طرح اے نبیؐ، یہ قرآن عربی ہم نے تمہاری طرف وحی کیا ہے تا کہ تم بستیوں کے مرکز (شہر مکہ ام القریٰ) اور اس کے گرد و پیش رہنے والوں کو خبر دار کر دو۔

اس لئے بھی امّ القریٰ (مکہ) کے رہنے والے کو امّی کہا گیا ہے۔جیسے چین کے رہنے والے کو چینی اور عرب کے رہنے والے کو عربی کہا جاتا ہے وغیرہ وغیرہ۔

آلِ عمران آیت ۲۰۔پھر بھی اگر تجھ سے جھگڑیں تو کہہ دے میں نے تابع کیا اپنا منہ اللہ کے حکم پر اور انہوں نے بھی کہ جو میرے ساتھ ہیں۔اور کہہ دے کتاب والوں کو اور امی (غیر اہل کتاب کو) کہ تم بھی تابع ہوتے ہو۔پھر اگر وہ تابع ہوئے تو انہوں نے راہ پائی سیدھی، اور اگر منہ پھیریں تو تیرے ذمہ صرف پہنچا دینا ہے، اور اللہ کی نگاہ میں ہیں بندے۔

جمعہ آیت ۲:۔وہی ہے جس نے اٹھایا اُمیوں میں ایک رسول اُن ہی میں کا۔پڑھ کر سناتا ہے ان کو اس کی آیتیں اور ان کو سنوارتا ہے۔اور سکھلاتا ہے ان کو کتاب اور عقلمندی اور اس سے پہلے تھے وہ کھلی تلاش میں، آیات بالا کو پڑھنے کے بعد یہ نتیجہ سامنے آتا ہے کہ اُمّی کا مطلب ان آیات میں ان پڑھ ہرگز نہیں بلکہ اہل کتاب کے مقابلے میں غیر اہل کتاب اور ام القریٰ کے رہنے والوں سے ہے، جیسا کہ یہودی کہتے تھے کہ ہم اہل کتاب ہیں اور عربوں پر کوئی کتاب نازل نہیں ہوئی، اس لئے یہ اُمّی ہیں۔اور ان کو کوئی حق نہیں ہے کہ یہ دعویٰ کریں کہ ہمارے اندر ایک نبی مبعوث ہوا ہے، نبوت اور امارت تو صرف ہمارا ہی حق ہے۔اس پر اللہ نے فرمایا کہ دیکھو جس کو اُمّی یعنی غیر اہل کتاب کہتے ہو ان میں ہی نبی مبعوث کیا گیا ہے یہ تو ہماری رحمت ہے ہمارا فضل ہے، ہم جس پر چاہیں کریں اور اب یہ رحمت اور فضل اُمیوں کے لئے خاص ہو گیا ہے۔۸/۲۔۷۷۔۹ میں کہا گیا ہے کہ ان میں بعض اُمی ہیں جو کتاب کا علم نہیں رکھتے بس اپنے کچھ خیالات رکھتے ہیں۔امّی کی مزید وضاحت کرنے کے لئے اسم موصولہ لِلَّذِیْنَ لا کر ہر شک کو ہی ختم کر دیا، یہ اسم موصولہ راجع ہو رہا ہے۔اُمیوں کی طرف اور کہا ہے کہ خرابی ہے ان کو جو لکھتے ہیں کتاب اپنے ہاتھ سے پھر کہہ دیتے ہیں یہ خدا کی طرف سے ہے۔دیکھئے اس آیت میں کس صاف طرح اُمّی کی وضاحت کر دی ہے۔کیا ان پڑھ اپنے ہاتھ سے کچھ لکھ سکتا ہے؟ ہاتھ سے وہی لکھے گا جو پڑھا ہو گا۔اس لئے اُمی کا مطلب ان پڑھ ہرگز نہیں ہے۔اس سلسلے میں مزید وضاحت ملاحظہ ہو۔

حضورؐ کے بارے میں اپنے اور غیر سب یہ کہتے ہیں کہ وہ ان پڑھ تھے صرف لفظ امّی کو لے کر، حالانکہ اس کی وضاحت اوپر ہو گئی ہے، مگر اور سنئے کیا حقیقت میں حضور ان

پڑھ تھے۔

سورہ الفرقان ۲۵۔ آیت ۵ :۔ اور کہنے لگے یہ نقلیں ہیں پہلوں کی جس کو اُس نے لکھ لیا ہے، سو وہی لکھوائی جاتی ہیں صبح اور شام۔

مندرجہ بالا ۵/۲۵ میں خود حضورؐ کے مخالف یہ اقرار کر رہے ہیں کہ نبی نے پرانی نقلوں کو لکھ لیا ہے جو صبح اور شام دوسروں کو لکھائی جاتی ہیں مخالف تو حضورؐ کو پڑھا لکھا تسلیم کر رہے ہیں اور رسول کے اُمتی ان کو ان پڑھ لکھ رہے ہیں؟ اس ناقابل تردید ثبوت ہوتے ہوئے صرف لفظ امی جس کا مطلب بھولے پن یا شرارت سے ان پڑھ لکھ دیا گیا ہے، سے یہ کہہ دینا کہ حضورؐ ان پڑھ تھے ان کی شان میں گستاخی ہے۔ ہاں کہیں اس لفظ کا مطلب ان پڑھ ہوگا، لیکن یہاں ان پڑھ نہیں ہے۔

آیت ۲/۶۲ میں ہے کہ وہی تو ہے جس نے امیوں کے اندر ایک رسول خود ان ہی میں سے اٹھایا۔ اس آیت میں تقریباً پورے مکہ والوں کو اُمی کہا گیا ہے تب ہی تو کہا کہ امیوں میں خود ان ہی میں سے نبی اٹھایا، اس آیت کے ذیل میں جنگ بدر کو دیکھئے جس میں مکہ کے افراد جو حضورؐ کے خاندانی بھی تھے قید ہو گئے تھے اور ان میں اکثر کی رہائی کا فدیہ یہ مقرر ہوا تھا کہ ہر آدمی اتنے آدمیوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دے۔ ان قیدیوں نے یہ کام کیا اور رہا ہو گئے۔ اب غور طلب بات یہ ہے کہ اگر ان پڑھ کو اُمّی کہا گیا ہے تو اللہ نے کن امیوں میں رسول اٹھایا تھا جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے جو قید ہو گئے تھے، غور کریں کہ یہ وہی امی تھے جو اُمّ القریٰ مکہ کے رہنے والے تھے اور وہ پڑھے لکھے تھے، اس لئے حضور بھی پڑھے لکھے تھے فرق صرف یہ ہے کہ ان کی تعلیم کسی مدرسے میں باقاعدہ نہیں ہوئی تھی، محض اپنے قبیلے کے افراد کے ذریعہ ہوئی تھی۔

ایک بات صلح حدیبیہ کی ہے جب رسول لفظ لکھنے پر مکہ والوں نے اعتراض کیا تو آپؐ نے علیؓ سے کہا کہ اس لفظ کو کاٹ کر محمد ابن عبداللہ لکھ دو تو علی نے انکار کیا تب حضورؐ نے اپنے ہاتھ سے رسول لفظ کاٹ کر وہی لکھ دیا جو مکہ والے چاہتے تھے۔ علیؓ بھی تو مکہ کے رہنے والے یعنی اُمی تھے پھر علیؓ کیسے لکھ رہے تھے اور مکہ کے رہنے والے کئی کاتب وحی بھی تھے۔

اتنے ثبوت ہونے کے بعد اگر اب بھی ہم حضورؐ کو ان پڑھ ہی مانتے رہے تو اس کے علاوہ اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ ہم قرآن سے صرف نظر کر کے محض روایات کے غلام بنے ہوئے ہیں اور حق بات کہنے کی جرأت اور اس کو سمجھنے کی صلاحیت سے محروم ہو گئے ہیں۔ اس لفظ ان پڑھ کو لے کر دشمن رسول سلمان رشدی نے بھی پورے قرآن کو شک کے دائرے میں لانے کی ناکام اور ناپاک کوششیں کی ہے (نعوذ باللہ) پانی سر سے گزر چکا ہے۔ کیا اب بھی وہ وقت نہیں آیا جب ہم دوٹوک الفاظ میں اعلان کریں کہ نبیؐ پڑھے ہے لکھے تھے ان پڑھ نہیں تھے۔ بہر حال میں تو پورے شرح صدر کے ساتھ یہ اعلان کرتا ہوں کہ نبی پڑھے لکھے تھے دنیا خواہ کچھ بھی کہتی رہے۔

کیا محمد نے ایسے کوئی کام کئے جو منشاء الٰہی کے خلاف تھے جن پر بعد میں اللہ کو گرفت کرنی پڑی؟

قرآن کی بہت سی تفاسیر میں اور سورتوں کی شان نزول لکھتے وقت مفسرین نے متعدد مقامات پر ایسی باتیں لکھ دی ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ رسولؐ نے بہت سے مواقع پر ایسے کام کئے جو منشاء الٰہی کے خلاف تھے اور جن پر بعد کو ذریعہ وحی اللہ نے رسول کی گرفت کی مفسرین کے یہ اقوال بنی کی شان نبوت اور ان کے مرتبے کے منافی ہیں۔ ان اقوال کی بنیاد پر مخالفین اسلام کو یہ موقع ملا کہ وہ نبی کی شان میں گستاخی کریں۔ اس لئے ضروری ہوا کہ ہم اس طرح کے اقوال کی قرآن کی روشنی میں تردید کریں۔ اور قارئین کو یہ بتلائیں کہ رسولؐ اس طرح کی باتوں سے قطعی بری و پاک ہیں۔ اس سلسلہ کی چند مثالیں ذیل میں پیش ہیں۔

(۱) ایک عورت حضرتؐ کے پاس آتی ہے اور اپنا معاملہ سناتی ہے جس کو مندرجہ ذیل آیت میں اللہ نے بتلایا ہے۔

سورت مجادلہ ۵۸ آیت نمبرا نمبر نزول ۱۰۵ بقول مودودی صاحب

اللہ نے سن لی اُس عورت کی بات جو اپنے شوہر کے معاملہ میں تم سے فریاد کررہی ہے اور اللہ سے فریاد کئے جاتی ہے اللہ تم دونوں کی گفتگو سن رہا ہے وہ سب کچھ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔

یہ آیت ایک خاتون خولہ بنت ثعلبہ کے معاملہ میں نازل ہوئی تھی جس سے ان کے شوہر نے ظہار کیا تھا اور وہ حضور سے پوچھنے آئی تھی کہ اسلام میں اس کا کیا حکم ہے؟ اس وقت تک چونکہ اللہ کی طرف سے اس معاملہ میں کوئی حکم نہیں آیا تھا اس لئے حضور نے فرمایا کہ میرا خیال ہے کہ تم اپنے شوہر پر حرام ہوگئی ہو اس پر وہ فریاد کرنے لگی کہ میری اور میرے بچوں کی زندگی تباہ ہوجائے گی۔ اس حالت میں جب کہ وہ رو رو کر حضورؐ سے عرض کررہی تھی کہ کوئی صورت ایسی بتایئے جس سے میرا گھر بگڑنے سے بچ جائے۔ اللہ کی طرف سے وحی نازل ہوئی اور اس مسئلے کا حکم بیان کیا'' بقلم جملہ مفسرین۔

الاحزاب ۳۳ آیت ۴۔ نمبر نزول ۹۰ اللہ نے کسی شخص کے دھڑ (جوف) میں دو دل نہیں رکھے نہ اس نے تم لوگوں کی ان بیویوں کو جن سے تم ظہار کرتے ہو تمہاری ماں بنادیا ہے۔ اور نہ اس نے تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارا حقیقی بیٹا بنادیا ہے یہ تو وہ باتیں ہیں جو تم لوگ اپنے منھ سے نکال دیتے ہو۔

دونوں سورتوں کی آیتوں کا ترجمہ اور تفسیر مودودی صاحب کا ہے اور تقریباً سب ہی عالم ادھر ہی گئے ہیں۔ سورت مجادلہ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ اس وقت تک ظہار کے بارے میں کوئی حکم نہ آیا تھا، اسلئے حضورؐ نے وہ الفاظ کہے یعنی میں سمجھتا ہوں تو اپنے شوہر پر حرام ہوگئی۔ کیا حضورؐ نے اسی طرح کے الفاظ ادا کئے ایک غور طلب امر ہے۔ ہر آدمی تسلیم کرتا ہے کہ حضورؐ جو بھی کہتے تھے یا عمل کرتے تھے وہ اللہ کے حکم کے مطابق کرتے تھے۔ اسی سورت مجادلہ کی آیت ۲ کا آغاز الذین بظاہرون سے ہوتا ہے جو اسم موصولہ ہے یہ تب آتا ہے جب پہلی آیت یا بات سے تعلق ہو اس لئے اس آیت میں بھی بتلا دیا گیا ہے کہ تم میں جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں ان کی بیویاں ان کی مائیں نہیں ہیں پھر آیت ۳ میں بھی شروع

میں اسم موصولہ والذین ہے اس آیت میں ظہار کرکے رجوع کرنے کا طریقہ بتلایا ہے۔ کہ اگر ایسے آدمی رجوع کریں تو یہ کفارہ ادا کرنا پڑے گا اسم موصولہ سے ثابت ہوا کہ آیت ایک سے تین تک کے نزول کے درمیان کوئی وقفہ نہیں ہے بلکہ یہ آیات کم سے کم وہاں تک جہاں تک ظہار کا تعلق ہے ایک ساتھ نازل ہوئی ہیں۔ پھر سورت احزاب کی آیت چار اس سورت سے پہلے نازل ہوئی ہے کیوں کہ اس کا نمبر نزول ۹۰ ہے اور سورت مجادلہ کا ۱۰۵ ہے اور اس ترتیب کو مودودی صاحب بھی تسلیم کرتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ اللہ نے ظہار کے حکم سے نبی کو پہلے ہی واقفیت بہم پہونچادی تھی۔ اس لئے نبی نے یہ نہیں کہا کہ میرے خیال میں تو اپنے شوہر پر حرام ہوگئی بلکہ بات یہ ہے کہ عورت نے آکر اپنا مسئلہ رکھا جو رو رہی تھی تو اللہ نے اپنے نبی کو اس کا حل بتلا دیا یہ تو اللہ پہلے ہی بتلا چکا تھا کہ ظہار کرنے سے ماں نہیں ہوتی مگر رجوع کا طریقہ چونکہ احزاب میں نہیں ہے اس لئے مجادلہ میں پوری بات بتلا دی گئی اور حضورؐ نے اس عورت کو بھی یہ مسئلہ بتلا دیا اور ان کا گھر آباد رہ گیا۔ اب یہ بھی دیکھ لیا جائے کہ وحی کے بارے میں حضور کو اللہ کا کیا حکم اور قرآن کی شہادت کیا ہے۔ بہر حال محمد اپنی مرضی کے مالک نہ تھے بلکہ وحی کے پابند تھے۔

القلم ٦٨ آیت ۴۸۔ اچھا اب تو صبر کے ساتھ راہ دیکھتا رہ اپنے رب کے حکم کی اور مت ہو (جلدی کرنے والا) جیسا وہ مچھلی والا (یعنی یونس) اس لئے اس نے پکارا اور وہ غم سے بھرا ہوا تھا۔

انجم ۵۳ آیت ۳ اور نہیں بولتا اپنے نفس کی خواہش سے ۴ یہ حکم ہے بھیجا ہوا یعنی وحی۔

ان آیات سے صاف ہے کہ نبیؐ اللہ کے حکم کے پابند تھے اپنی مرضی سے کچھ نہ کہتے تھے نہ کرتے تھے۔ ساتھ میں سورت مجادلہ کی وہ آیات بھی پڑھ لی جائیں جن کا اوپر حوالہ دیا گیا ہے۔

سورت مجادلہ ۵۸ آیت ا اللہ نے سن لی اس عورت کی بات جو اپنے شوہر کے معاملہ میں تم سے فریاد کررہی ہے اور اللہ سے فریاد کئے جاتی ہے۔ اللہ تم دونوں کی گفتگو سن رہا

ہے، وہ سب کچھ سننے اور دیکھنے والا ہے۔ ۲۔ تم لوگوں میں سے جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں ان کی بیویاں ان کی مائیں نہیں ہیں، ان کی مائیں تو وہی ہیں جنھوں نے ان کو جنا ہے۔ یہ لوگ ایک سخت ناپسندیدہ اور جھوٹی بات کہتے ہیں، اور حقیقت یہ ہے کہ اللہ بڑا معاف کرنے والا اور درگزر فرمانے والا ہے۔

۳۔ جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کریں پھر اپنی اس بات سے رجوع کریں جو انہوں نے کہی تھی، تو قبل اس کے کہ دونوں ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں، ایک غلام آزاد کرنا ہوگا۔ اس سے تم کو نصیحت کی جاتی ہے، اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے۔

۴۔ اور جو غلام نہ پائے وہ دو مہینے کے پے درپے روزے رکھے قبل اس کے کہ دونوں ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں اور جو اس پر قادر نہ ہو وہ ۶۰ مسکینوں کو کھانا کھلائے آیت ۵ بھی اس مسئلہ کے بارے میں ہے۔

ان آیت سے بات صاف ہوگئی کہ اللہ نے نبی کو کسی مسئلہ میں بے خبر نہیں رکھا بلکہ مسئلہ آنے سے پہلے ہی اس کا حل بتلا دیا جس سے نبی کو کوئی پریشانی نہ رہے۔

(۲) اب دوسری مثال دیکھیں۔

تحریم ۶۶ آیت ۱ اے نبیؐ تو کیوں حرام کرتا ہے جو حلال کیا اللہ نے تجھ پر چاہتا ہے تو رضا مندی اپنی عورتوں کی اور بخشنے والا ہے مہربان۔

(الف) مولانا مودودی تفہیم القرآن میں اس کی تفسیر اس طرح بیان کرتے ہیں یہ دراصل سوال نہیں ہے بلکہ ناپسندیدگی کا اظہار ہے یعنی مقصود نبیؐ سے یہ دریافت کرنا نہیں ہے کہ آپ نے یہ کام کیوں کیا ہے بلکہ آپؐ کو اس بات پر متنبہ کرنا ہے کہ اللہ کی حلال کی ہوئی چیز کو اپنے اوپر حرام کر لینے کا جو فعل آپ سے صادر ہوا ہے وہ اللہ کو ناپسند ہے، چونکہ آپ کی حیثیت ایک عام آدمی کی نہیں بلکہ اللہ کے رسول کی تھی اور آپ کے کسی چیز کو اپنے اوپر حرام کر لینے سے یہ خطرہ پیدا ہو سکتا تھا کہ امت اس شے کو حرام یا کم از کم مکروہ سمجھنے لگے۔ اس لئے اللہ نے آپ کی اس فعل پر گرفت فرمائی اور آپ کو اس تحریم سے باز رہنے کا حکم دیا۔ اس سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ رسول کو بھی بطور خود کسی چیز کو حلال یا حرام کر دینے کا اختیار

نہ تھا۔

(ب) شبیر احمد عثمانی صاحب رقم طراز ہیں۔

نوٹ: تفاسیر، حدیث اور تراجم میں صاف ہے کہ حضورؐ نے اپنے اوپر شہد یا ماریہ کو حرام کر لیا تھا یہ کام ماضی کا ہو گیا۔ اگر اس ماضی کے کام پر اللہ کو گرفت کرنی تھی تو لفظ ماضی کا صیغہ لِمَ حَرَّمْتُ آنا تھا۔ لِمَ تُحَرِّمُ نہیں آنا تھا۔ جب لِمَ تحرم آیا ہے تو صاف ظاہر ہے کہ اس سے مراد مستقبل ہے نہ کہ ماضی اور اس لحاظ سے ہی ترجمہ تفسیر ہونا تھا مگر صیغہ مستقبل اور ترجمہ ماضی؟ کیا مطلب کیا اتنا بھی غور کا مقام نہیں ہے۔ اس لئے ترجمہ اور تفسیر محل نظر ہے۔

سورہ احزاب کے فوائد میں گزر چکا ہے کہ جب اللہ نے مسلمانوں کو فتوحات عنایت فرمائیں اور لوگ آسودہ ہو گئے تو ازواج کو بھی خیال آیا کہ ہم کیوں آسودہ نہ ہوں اس سلسلے میں انہوں نے مل کر حضورؐ سے زیادہ نفقہ کا مطالبہ شروع کر دیا (مسلم اور بخاری) اس پر ابوبکرؓ نے عائشہؓ کو اور عمرؓ نے حفصہؓ کو ڈانٹ پلائی آخر ازواج نے وعدہ کیا کہ آئندہ ہم آپ سے اس چیز کا مطالبہ نہیں کریں گی جو آپ کے پاس نہیں ہے پھر بھی رفتار واقعات کی ایسی رہی جس سے آپؐ کو ایک ماہ کے لئے ازواج سے ایلا کرنا پڑا تا آنکہ آیہ تخییر نے جو احزاب میں ہے نازل ہو کر اس قصہ کا خاتمہ کر دیا اس درمیان میں کچھ واقعات اور بھی پیش آئے جن سے حضور کی طبع مبارک پر گرانی ہوئی۔ اصل یہ ہے کہ ازواج مطہرات کو جو محبت اور تعلق آپ کے ساتھ تھا اس سے قدرتی طور پر آپس میں ایک طرح کی کشمکش پیدا کر دی تھی ہر ایک زوجہ کی تمنا اور کوشش تھی کہ وہ زائد از زائد حضورؐ کی توجہات کا مرکز بن کر دارین کی برکات و فیوض سے متمتع ہو۔ مرد کے لئے یہ موقع تحمل و تدبر اور خوش اخلاقی کے امتحان کا نازک ترین موقع ہوتا ہے۔ مگر اس نازک موقع پر بھی حضورؐ کی ثابت قدمی ویسی ہی غیر متزلزل ثابت ہوئی جس کی توقع سید الانبیاء کی پاک سیرت سے ہو سکتی تھی آپ کی عادت تھی کہ عصر کے بعد سب ازواج کے یہاں تھوڑی دیر کے لئے تشریف لے جاتے۔ ایک روز حضرت زینبؓ کے یہاں کچھ دیر لگی معلوم ہوا کہ انہوں نے شہد پیش کیا تھا اس کو نوش فرمانے میں وقفہ ہوا پھر کئی روز یہ معمول رہا۔ حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ نے مل کر تدبیر کی کہ

آپ وہاں شہد پینا چھوڑ دیں۔ آپ نے چھوڑ دیا اور حفصہؓ سے فرمایا کہ میں نے زینبؓ کے یہاں شہد پیا تھا مگر اب قسم کھاتا ہوں کہ پھر نہیں پیوں گا۔ نیز یہ خیال فرما کر کہ زینبؓ کو اس کی اطلاع ہوگی تو خواہ مخواہ دلگیر ہوں گی حفصہؓ کو منع کر دیا کہ اس کی اطلاع کسی کو نہ کرنا۔ اس طرح کا ایک قصہ ماریہ قبطیہ کے متعلق (جو آپ کے حرم سے تھیں اور جن کے بطن سے صاجبزادے ابراہیم تولد ہوئے) پیش آیا اس میں آپ نے ازواج کی خاطر قسم کھائی کہ ماریہ کے پاس نہ جاؤں گا یہ بات آپ نے حضرت حفصہؓ کے سامنے کہی تھی اور تاکید کر دی تھی کہ دوسروں کے سامنے اظہار نہ ہو۔ حضرت حفصہؓ نے ان واقعات کی اطلاع چپکے سے حضرت عائشہؓ کو کر دی اور یہ بھی کہہ دیا کہ اور کسی سے نہ کہنا حضرت کو اللہ نے مطلع فرما دیا آپ نے حفصہؓ کو بتلایا کہ تم نے فلاں بات کی اطلاع عائشہؓ کو کر دی حالانکہ منع کر دیا تھا وہ کہنے لگی کہ آپؐ سے کس نے کہا شائد عائشہؓ کی طرف خیال گیا ہوگا حضورؐ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ نے مجھے اطلاع دی ان ہی واقعات کے سلسلے میں یہ آیات نازل ہوئیں۔

دیکھیں کہ مندرجہ بالا ترجمہ اور تفسیر میں صاف لکھا ہے کہ حضورؐ نے اپنے اوپر اللہ کے حلال کو حرام کر لیا تھا۔ کسی شان نزول میں حرام کی ہوئی شے شہد بتلائی اور اس میں بھی اختلاف ہے شہد کس بیوی کے یہاں پیا۔ کسی میں ہے کہ حضرت زینبؓ کے یہاں پیا، کسی میں ہے حضرت حفصہؓ کے یہاں پیا۔ ایک شان نزول میں یہ بھی ہے کہ حضورؐ نے اپنی زوجہ کی خوشی کے لئے اپنے اوپر ماریہ قبطیہ کو حرام کر لیا تھا اور ایلا کے لئے بھی لکھا ہے کہ آپ نے ازواج کی پریشان کن باتوں سے ناراض ہو کر ایک مہینے تک ایلا کیا؟

پہلے ایلا کی کیفیت ملاحظہ کریں تفسیر مولانا شبیر احمد عثمانی حضرت کی ازواج نے دیکھا کہ لوگ آسودہ ہو گئے چاہا کہ ہم بھی آسودہ ہوں ان میں سے بعض نے آنحضرت سے گفتگو کی کہ ہم کو بھی مزید تفقہ اور سامان دیا جائے جس سے عیش کی زندگی بسر کر سکیں۔ اس سے آپ ناراض ہو گئے اور ایک مہینے کے لئے قسم کھالی کہ گھر میں نہ جائیں گے اور مسجد کے قریب ایک بالاخانہ میں فروکش ہو گئے۔ ابوبکرؓ عمرؓ کو بڑی پریشانی ہوئی دونوں نے جا کر حضور کو منایا اور اپنی لڑکیوں کو بہت دھمکایا ادھر ایک ماہ پورا ہو گیا اور حضورؐ واپس آ گئے اور

ازواج سے کہا کہ تم ایک راستہ اختیار کرو یا تو میں مال دیکر طلاق دے دوں یا میرے پاس رہنا ہے تو مال نہیں ملے گا۔ ازواج نے آپ کے پاس ہی رہنا پسند کیا، یہ فعل جو ہوا اس کو ایلا کہتے ہیں بخاری میں ایک حدیث ایلا کے بارے میں ہے اس میں اتنا اور ذکر ہے کہ آپؐ کے پیر میں موچ آ گئی تھی اور بالاخانے میں آرام سے رہنے لگے تھے کتاب الطلاق۔ قابل غور بات یہ ہے کہ اکثر معاملات کے متعلق عورتوں میں دو نام عائشہؓ اور حفصہؓ آتے ہیں اور ایسے ہی مردوں میں دو نام ابوبکرؓ و عمرؓ ہی کیوں آتے ہیں ہر جگہ ہر امر ان سے ہی منسوب کیا جاتا ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ جس گروہ نے ان کا نام آگے کیا ہے اس گروہ نے ہی حضورؐ کو بدنام کیا ہے جبکہ حضورؐ نے کوئی کام حکم الٰہی کے خلاف نہیں کیا۔ تفسیر میں لکھا ہے کہ آپ کی ازواج آپ کی زیادہ سے زیادہ عنایات چاہتی تھیں، اس لئے شہد کو حرام کرایا۔ کیا یہ بات ٹھیک ہو سکتی ہے، ایک طرف محبت کی بات لکھی جا رہی ہے اور دوسری طرف حضورؐ کو ان کی پسندیدہ غذا سے محروم کیا جا رہا ہے۔ کہیں نان نفقہ کا مطالبہ سامنے آ رہا ہے، کیا محبت کرنے والی عورتیں ایسا کر سکتی ہیں؟ اور کیا حضورؐ ہر وقت اپنی ازواج کے جھگڑوں میں ہی الجھے رہتے تھے، تو پھر اقامت دین اور نفاذ اسلام کے لئے نبی کے پاس وقت کہاں بچتا ہوگا۔ غور کرو یہ سب باتیں ناموس رسول کے منافی ہیں۔ حضورؐ کا اعجاز تو یہ ہے کہ جب حضورؐ کو نبوت سے سرفراز کیا گیا تو سب سے پہلے آپ پر ایمان لانے والی آپ کی رفیقہ حیات حضرت خدیجہؓ تھیں۔ اسی پر آپ کی دیگر ازواج کے بارے میں قیاس کر لیجئے وہ ہرگز آپؐ کے لئے مسائل کھڑے کرنے والی نہیں تھیں۔ ساتھ میں یہ بھی، دیکھ لیا جائے کہ کیا ازواج نے نان نفقہ کا مطالبہ کیا تھا اور کیا اس کا ثبوت قرآن میں کسی آیت سے ملتا ہے؟ پورا قرآن دیکھ لیا جائے یہ مطالبہ قرآن میں درج نہیں پھر یہ بات کہاں سے آئی اکثر مترجمین نے آیت تخییر کا ترجمہ حسب ذیل کیا ہے۔

سورہ احزاب آیت ۲۸، ۲۹ اے نبیؐ کہہ دے اپنی عورتوں کو اگر تم چاہتی ہو دنیا کی زندگانی اور یہاں کی رونق تو آؤ کچھ فائدہ پہنچا دوں تم کو اور رخصت کر دوں بھلی طرح سے رخصت کرنا اور اگر تم چاہتی ہو اللہ کو اور اس کے رسول کو اور پچھلے گھر کو تو اللہ نے رکھ چھوڑا

ہے ان کے لئے جو تم میں نیکی پر ہیں بڑا اجر۔

۳۰۔ اے نبی کی عورتو! جو کوئی کر لائے تم میں کام بےحیائی کا صریح دونا ہو اس کو عذاب دوہرا اور ہے یہ اللہ پر آسان۔

۳۱۔ اور جو کوئی تم میں اطاعت کرے اللہ کی اور اس کے رسول کی اور عمل کرے اچھے دیویں ہم اس کو اس کا ثواب دو بار اور رکھی ہے، ہم نے اس کے واسطے روزی عزت کی۔

یہ ہیں وہ آیات تخییر جن کے تحت ازواج کی طرف ایک ایسا واقعہ منسوب کر دیا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ اس کی وجہ سے حضورؐ کافی دونوں تک پریشان رہے اور ایلا کرنا پڑا مگر ان آیات میں کسی لفظ سے یہ ظاہر نہیں ہو رہا کہ ازواج نے کوئی مطالبہ ایسا کیا ہو جو حضورؐ کی قدرت کے باہر ہو باہر کا سوال تو دور رہا کوئی مطالبہ کیا ہی نہیں۔ ان آیات سے جو بات ظاہر ہو رہی ہے وہ یہ ہے کہ اللہ نے انہیں آپ طرف سے کہا کہ اے محمدؐ اب یہ جو مال غنیمت آ رہا ہے اور مسلمانوں میں تقسیم ہو رہا ہے، جس سے مسلمانوں کی حالت بہتر ہو رہی ہے اس کو دیکھ کر کہیں آپ کی ازواج پریشان نہ ہو رہی ہوں اس لئے ان سے معلوم کر لو کہ اگر آپ کو مال چاہئے تو میں تم کو مال دے دوں جیسے دوسرے مسلمانوں کو مل رہا ہے مگر یہ یاد رکھنا کہ میرے پاس مال رکھنے کی گنجائش نہیں ہے۔ میں تو ہر وہ مال جو آتا ہے فوراً ضرورت مندوں کو دے دیتا ہوں، ایسا ہی تم کو کرنا پڑے گا اس لئے لینے سے کوئی فائدہ نہیں تاہم اگر تم لینا چاہتی ہو تو لو مگر پھر تم میرے پاس نہیں رہو گی میں تم کو طلاق دیدوں گا۔

آیت میں نہ کہیں ازواج کا جواب درج ہے جیسا کہ تفاسیر میں لکھا ہے اس لئے کسی زوج نے کوئی مطالبہ نہیں کیا اللہ نے حضورؐ کی ازواج کو زندگی گزارنے کے قانون بتائے ہیں جو کافی آیات میں درج ہیں ایسے ہی ایک عذاب کی بات ہے کہ اگر تم کوئی برا کام کرو گی تو دونا عذاب ملے گا تو کیا اس کو بھی ازواج کے کسی گناہ کرنے کے سبب نازل کیا گیا تھا اس کے لیے بھی کوئی شان نزول تلاش کروا گر ہو تو۔ بھائیو! ازواج نے کوئی مطالبہ نہیں کیا تھا یہ سب من گھڑت واقعات ہیں جن کے گھڑنے کی وجہ صرف حضورؐ اور ازواج کو بدنام کرنا ہے۔

شہد کے حرام کرنے کا معاملہ اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ زینبؓ کے یہاں شہد پینے سے حضرت عائشہؓ وغیرہ کو اعتراض ہوا۔ اس لئے حضرت عائشہ اور حفصہؓ نے مل کر کہا کہ جب حضورؐ آئیں تو یہ کہنا کہ آپ کے منہ سے بدبو آ رہی ہے۔ جب حضورؐ آپ کے پاس آئے تو یہی کہا گیا کہ آپ کے منہ سے بدبو آ رہی ہے آپ نے کیا کھایا ہے آپ نے کہا کہ میں نے شہد پیا ہے۔ تو کہا گیا کہ ایسی بو ہے جیسی مغافیر کی ہوتی ہے، تب حضورؐ نے کہا کہ اب میں شہد نہیں پیوں گا۔ اپنے اوپر حرام کر لیا۔ دوسری بات یہ بتلائی جاتی ہے کہ حضور نے اپنے اوپر ماریہ کو حرام کر لیا یہ سب باتیں علماء نے ہی لکھی ہیں۔ اور یہی علماء یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ حضورؐ یا کسی نبی کو یہ اختیار نہ تھا کہ وہ اللہ کے حلال کو حرام کر دیں یا حرام کو حلال۔ نبی بغیر اللہ کے حکم کے کچھ نہیں کرتے تھے پھر یہ کیا لکھ دیا کہ حضورؐ نے اللہ کے حلال کو حرام کر لیا اور اللہ نے گرفت کی۔ لکھنے والوں کو بھی یہ خوب دامن گیر نہ ہوا کہ ہم کیا لکھ رہے ہیں۔ کیا آیت کے لفظ اس ترجمہ اور تفسیر کی اجازت دے رہے ہیں۔ صحیح ترجمہ تو بعد میں لکھا جائے گا پہلے شہد سے متعلق روایت کی حقیقت کو پرکھ لیا جائے۔

روایت ہے کہ حضورؐ نے شہد پیا اور دوسری بیویوں کے اعتراض کرنے پر چھوڑ دیا کہا گیا کہ آپ کے منہ سے بدبو آ رہی ہے۔ اور مغافیر کی بتلائی گئی تب حضورؐ نے کہا کہ میں نے شہد پیا ہے اور ہو سکتا ہے کہ مکھیاں مغافیر پر بیٹھی ہوں اور اس کا رس لائی ہوں آئندہ میں شہد نہیں پیوں گا قسم کھالی۔ قابل غور بات یہ ہے کہ کیا حقیقت میں حضورؐ کے منہ سے بو آ رہی تھی۔ جو عائشہ وغیرہ کو محسوس ہوئی۔ اگر حقیقت میں بو تھی تو حضورؐ کو یقیناً آنا چاہئے تھی۔ چونکہ حضورؐ کو بدبو سے سخت نفرت تھی۔ اگر بو کا شائبہ بھی ہوتا تو یقیناً حضورؐ شہد نہیں پیتے ہم نے اتنا بھی غور نہیں کیا کہ جب آدمی کوئی چیز کھاتا پیتا ہے تو بعد میں پانی سے کلی وغیرہ کر کے منہ کو صاف کر لیتا ہے پھر شہد پینے کے فوراً بعد ہی حضرت عائشہؓ کے پاس نہیں گئے ہوں گے ان سے پہلے کسی اور سے بھی ملے ہوں گے، کیا ان کو بو نہیں آئی؟ اگر نہیں آئی تو عائشہؓ کو بھی نہیں آنی چاہئے تھی اور نہ ہی حضرت عائشہؓ اس مقام پر تھیں جہاں سے محمدؐ کو پریشان کرنا مقصود ہو۔ وہ نیک اور شریف بی بی اور حضورؐ سے محبت کرنے والی تھیں۔ اس لئے انہوں

نے یقیناً ایسا نہیں کہا۔ اب ذیل میں وہ ترجمہ لکھا جا رہا ہے جو عربی قواعد کے مطابق صحیح ترجمہ ہے۔

سورہ تحریم ۶۶ آیت ۱۔ اے نبی کس لئے اور کیوں آپ حرام کرو گے اس کو جو اللہ نے تیرے لئے حلال کی ہے۔ یقیناً آپ ہرگز اللہ کے حلال کو حرام نہیں کرو گے (جملہ استفہام) آپ اس لئے بھی حلال کو حرام نہیں کرو گے کہ آپ اپنی بیویوں کو راضی کرو؟ حالاں کہ آپ کی بیویاں بھی ایسا کرنے کو نہ کہیں گئیں۔ اگر وہ اللہ پر ایمان رکھنے والی ہیں۔ آپ حرام وحلال اللہ کا مانتے ہیں اپنی مرضی سے حرام حلال نہیں کرتے۔

لفظ تُحَرِّمُ پر غور کر کے اور حضورؐ کے مقام کو دیکھ کر اگر ہمارے عالم قلم اٹھاتے تو اس ترجمہ اور تفسیر کے لئے کوئی گنجائش نہیں تھی۔ جو انہوں نے کیا ہے حرف لم بھی سوال کر رہا ہے۔ مگر کیا کیا جائے اس عقیدے کا جس میں یہ کہا گیا ہے کہ قرآن کو حدیث اور شان نزول سے سمجھو جب کہ قرآن کسی کا محتاج نہیں ہے۔ نہ اس پر کوئی قاضی ہے بلکہ قرآن سب پر قاضی ہے۔ قرآن کو متن اور تصریف آیات سے دیکھو حقیقت کیا ہے۔ ان آیات میں نہ شہد ہے نہ ماریہ قبطیہ بلکہ سورت احزاب کو دیکھو متن اور شان رسول سے تو بات صاف ہو جائے گی جو میں نے اپنے ترجمہ میں لکھی ہے یعنی بات حضرت زینب کی ہے۔ اللہ نے اس بارے میں ہی کہا اور سوال کیا ہے کہ جس چیز کو میں نے آپ کے لیے حلال کر دیا ہے تو آپ کسی کے کہنے سے کیوں اپنے اوپر حرام کرو گے؟ یقیناً حرام نہیں کرو گے کیوں کہ منہ بولے بیٹے کی مطلقہ سے نکاح حلال ہے حرام نہیں ہے، دنیا اعتراض کرتی رہے آپ کسی کے اعتراض سے نہ ڈرو اور نکاح کرو۔ جو پہلے سے ایک رسم بد چلی آ رہی ہے آپ اس کو نکاح کر کے توڑ دو یہ ہے حقیقت۔

(۳) اب عبس کے بارے میں ملاحظہ کریں۔

سورۃ عبس آیت ۱۔۲۔۳ ترش رو ہوا اور بے رخی برتی اس بات پر کہ وہ اندھا اس کے پاس آ گیا اے محمدؐ تمہیں کیا خبر شائد وہ سدھر جائے یا نصیحت پر دھیان دے بعد کے فقروں سے معلوم ہوتا ہے، کہ یہ ترش روئی اور بے رخی برتنے والے خود نبیؐ تھے (نعوذ) جن نابینا کا

یہاں ذکر ہے وہ حضرت ابن ام مکتومؓ تھے' یہ ترجمہ اور تفسیر مولانا مودودی صاحب کی ہے تاہم ہر عالم نے تقریباً یہی لکھا ہے۔ نابینا پر ترش روئی اور بے رخی برتنے کا کام حضورؐ کا بتلایا گیا ہے۔ کیا لفظ عبس اس ترجمہ اور تفسیر کا ساتھ دے رہا ہے اسے عربی قواعد سے پرکھا جائے یہ لفظ واحد مذکر ماضی غائب ہے اور اللہ خطاب حضورؐ سے کر رہا ہے۔ اگر حضورؐ کا یہ فعل ہوتا تو لفظ عَبَسْتَ ہوتا کہ تو کیوں ترش رو ہوا۔ واحد مذکر ماضی حاضر۔ اگر اس سورت میں اس لفظ پر غور نہ کیا جائے کا تو پورے قرآن پر ہی نظر ہونا چاہئے تھی کہ اے محمد تیرا اخلاق سب سے بلند ہے اور بے شک تو اخلاق کے بڑے مرتبہ پر ہے۔ ۶۸/۴

۱۵۹/۳ سو کچھ اللہ ہی کی رحمت ہے جو تو نرم دل مل گیا ان کو اور اگر ہوتا تند خو سخت دل تو متفرق ہو جاتے تیرے پاس سے سو تو معاف کر اور ان کے واسطے بخشش مانگ اور ان سے مشورہ کر کام میں۔

۵۲/۶ اور مت دور کر ان لوگوں کو جو پکارتے ہیں اپنے رب کو صبح اور شام چاہتے ہیں اسی کی رضا تجھ پر نہیں ہے ان کے حساب میں سے کچھ اور نہ تیرے حساب میں سے ان پر ہے کچھ تو ان کو دور کرنے لگے، پس ہو جائے گا تو بے انصافوں میں۔

۱۱/۳۰ اور اے قوم کون چھڑائے مجھ کو اللہ سے اگر ان کو ہانک دوں کیا تم دھیان نہیں کرتے۔

ان آیات کو پڑھنے کے بعد کون کہہ سکتا ہے کہ حضورؐ کسی پر ترش رو ہوتے؟ پھر نابینا پر ترش ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، اور لفظ عبس بھی اس الزام کی تردید کر رہا ہے۔ حقیقت کیا ہے سنئے، حضورؐ کے پاس قریش کے بڑے آدمی بیٹھے تھے آپ ان کو دین کی تبلیغ کر رہے تھے اتنے میں ایک نابینا آ گئے چونکہ وہ بے قرار تھے اسلام کا علم حاصل کرنے کے لئے ان نابینا کو دیکھ کر ان قریشی سرداروں میں سے کوئی ایک اس نابینا پر ترش رو ہوا اس لئے کہ اس کو خطرہ ہوا کہ اب حضورؐ ان نابینا کی طرف رخ کریں گے اور وہ لوگ چاہتے یہ تھے کہ آپؐ ہماری تاز برداری کرتے رہیں۔ ہمارے مقابلے میں کسی ایسے ویسے کو ترجیح نہ دیں وہ یہ بھی چاہتے تھے کہ آپ کا قیمتی وقت برباد کرتے رہیں مگر ایسا نہ ہوا۔ اور حضورؐ نے اُن

نابینا کی سنی۔ دیکھئے یہاں بھی جو الزام حضورؐ پر لگا رکھا ہے غلط ثابت ہو گیا، اور غلط ثابت کر دیا لفظ عبس نے اگر دلیل درکار ہے تو پیش ہے۔

سورت المدثرؔ ۷۴ آیت ۲۲۔ ثُمَّ عَبَسَ وَ بَسَرَ پھر تیوری چڑھائی اور منہ تھتیایا۔ کیا یہاں بھی مراد حضورؐ ہیں؟ یقیناً نہیں ہیں۔ اس لئے سورت عَبَسَ میں حضورؐ نہیں ہیں بلکہ کوئی قریشی ہے اب صحیح ترجمہ لکھا جا رہا ہے۔

سورت عَبَسَ ۸۰ آیت ۱ سے ۱۰ تک ترش رو ہوا اور بے رخی برتی (۲) اس بات پر کہ ایک نابینا ں کے پاس آیا (۳) اور کس چیز نے معلوم کرایا تجھ کو شائد وہ نابینا جس کو یہ جھڑک رہا ہے سدھر جائے (۴) یا نصیحت پر دھیان دے (۵) اور نصیحت کرنا اس کے لئے نافع ہو (۶) جو پرواہ نہیں کرتا کیا آپ اس کی فکر میں ہیں (۷) اور تجھ پر کچھ گناہ نہیں کہ وہ نہ سنورتا (۸) آپ پوری توجہ اس کی طرف دیں جو خود تمہارے پاس دوڑا آتا ہے (۹) اور ڈر رہا ہوتا ہے (۱۰) کیا آپ اس سے بے رخی برتیں گے؟ ہرگز نہیں آپ اس سے بے رخی نہیں برتیں گے۔

حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے حضورؐ کو اس آدمی کی نازیبہ حرکت کی خبر دی ہے۔ جو اس نے نابینا کے آنے پر کی تھی اور پھر حضورؐ کو اللہ اپنی ہدایات سے باخبر کر رہا ہے کہ آپ ایسا کریں۔ اب غور کریں کہ حقیقت کیا ہے، اور ہمارے مفسرین نے بات کو کہاں تک پہونچا دیا ہے۔ لازم ہے کہ ناموس رسول کی حفاظت کی خاطر اس طرح کی تفاسیر کی پرزور تردید کی جائے۔

کیا آیات برآت کا اعلان آپ نے حج کے موقع پر حضرت علیؓ سے کرایا جبکہ امیر حج ابو بکرؓ تھے؟

۹ھ میں جب حج کا موقع آیا تو حضورؐ نے حضرت ابو بکرؓ کو امیر حج بنا کر مکہ روانہ کیا۔ امیر حج کا مطلب ہوتا ہے کہ حج کے جملہ ارکان وہ اپنی زیر نگرانی ادا کرائیں گے۔ حضرت ابو بکرؓ کی روانگی کے بعد سورہ برات نازل ہوئی جس میں جملہ دیگر احکام کے ایک

خاص حکم اللہ کی طرف سے یہ دیا گیا تھا کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج کے لیے نہ آئے اور کوئی ننگا ہو کر خانہ کعبہ کا طواف نہ کرے۔ رسول نے ان آیات کو علیؓ کے ذریعہ مکہ بھجوایا تا کہ منیٰ میں یوم النحر کو اس بارے میں اعلان کر دیا جائے۔ اس بارے میں خاصا اختلاف پایا جاتا ہے کہ یہ اعلان بہ حیثیت امیر حج ابو بکرؓ نے کیا یا علیؓ نے کیا۔ ذیل میں ہم نے اس اختلاف کا جائزہ لیا ہے۔ پہلے اس عنوان سے متعلق روایات پر نظر ڈالیں۔

(۱) بخاری کتاب التفسیر سورہ برأت جلد دوم صہ ۴۶۹ حدیث ۱۷۵۷ ابو ہریرہؓ نے کہا کہ ابو بکرؓ نے اس حج میں (جو سن ۹ ھ میں ہوا اور اس میں ابو بکرؓ حاجیوں پر امیر بنائے گئے تھے مجھے) اعلان کرنے والوں کے ساتھ بھیجا (منیٰ میں یوم النحر کے دن) کہ اس بات کا اعلان کر دیں کہ کوئی مشرک اس سال کے بعد حج نہ کرے اور نہ کوئی ننگا ہو کر خانہ کعبہ کا طواف کرے۔ حمید نے (جو نیچے کے راوی ہیں) کہتے ہیں کہ، پھر رسولؐ نے علیؓ ابن ابی طالب کو بھیجا کہ سورہ براۃ کے احکام کا اعلان کرو۔ ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ ہمارے ساتھ یوم نحر کے دن منیٰ میں علیؓ نے بھی اعلان کیا۔ کہ کوئی مشرک اس سال کے بعد حج نہ کرنے پائے۔ اور ننگا ہو کر کوئی کعبہ کا طواف نہ کرے، ابو عبیداللہ نے کہا (یعنی، اعلان کرنے سے مراد یہ ہے کہ ان کو بتلا دیا)

۲۔ دوسری حدیث ۱۷۵۸: ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ ابو بکرؓ نے اس حج میں مجھے اعلان کرنے والوں کے ساتھ یوم نحر کے روز بھیجا (کہ اس کا اعلان کرو) کہ کوئی مشرک اس سال کے بعد حج نہ کرے اور کوئی ننگا ہو کر کعبہ کا طواف نہ کرے۔ حمید بن عبد الرحمٰن کہتے ہیں کہ پھر نبیؐ نے علیؓ ابن ابی طالب کو بھیجا کہ اعلان کر آؤ۔ ابو ہریرہ نے یہ بھی کہا کہ ہمارے ساتھ منیٰ میں یوم النحر کے دن علیؓ نے بھی اعلان کیا کہ کوئی مشرک اس سال کے بعد حج نہ کرے اور نہ کوئی ننگا ہو کر کعبہ کا طواف کرے۔''

شیخ الہند کے ترجمے پر جناب عثمانی صاحب کی تفسیر میں لکھا ہے کہ یہ اعلان حضرت علیؓ نے کیا۔ مودودی صاحب بھی یہی لکھتے ہیں۔ کہ یہ آیات رکوع ۵ کے آخر تک ۹ھ میں اس وقت نازل ہوئی تھیں جب نبیؐ حضرت ابو بکرؓ کو حج کے لئے روانہ کر چکے تھے،

ان کے پیچھے جب یہ آیات نازل ہوئیں تو حضورؐ نے حضرت علیؓ کو بھیجا تا کہ حاجیوں کے مجمع عام میں انہیں سنائیں اور پھر حسب ذیل چار باتوں کا اعلان کر دیں (۱) جنت میں کوئی ایسا شخص داخل نہ ہو گا جو دین اسلام کو قبول کرنے سے انکار کرے (۲) اس سال کے بعد کوئی مشرک حج کے لئے نہ آئے (۳) بیت اللہ کے گرد برہنہ ہو کر طواف کرنا ممنوع ہے (۴) جن لوگوں کے ساتھ رسول کا معاہدہ باقی ہے یعنی نقص عہد کے مرتکب نہیں ہوئے ہیں ان کے ساتھ مدت معاہدہ تک وفا کی جائے گی۔ حضورؐ کی اس ہدایت کے مطابق حضرت علیؓ نے یہ اعلان ۱۰/ذی الحجہ کو کیا۔

(۳) تاریخ اسلام مصنف اکبر شاہ خان صاحب جلد اول صہ ۲۳۸

رسول اللہ کے پہلے نائب تبوک سے واپس ہونے کے بعد وفود کا تواتر ایسا تھا کہ آپ مدینہ سے جدا نہیں ہو سکتے تھے۔ کیوں کہ قبائل عرب برابر آ آ کر اسلام میں داخل ہو رہے تھے۔ جب حج کا موسم آیا تو آپ نے اپنی جگہ حضرت ابو بکرؓ کو حج کا امیر بنا کر روانہ کیا، اور بیس اونٹ قربانی کے آنحضرت نے اپنی طرف سے ان کے ساتھ کئے پانچ اونٹ قربانی کے حضرت ابو بکرؓ نے اپنی طرف سے لئے تین سو مسلمانوں کا قافلہ حضرت ابو بکرؓ کے ہمراہ روانہ ہوا۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ کی روانگی کے بعد سورت براۃ کی چالیس آیتیں نازل ہوئیں جن میں یہ حکم تھا کہ اس سال کے بعد مشرکین مسجد حرام کے قریب نہ جائیں اور بیت اللہ کا طواف برہنہ ہو کر نہ کریں اور جن سے رسول اللہؐ نے کوئی عہد کیا ہے وہ اس کی مدّت تک پورا کرایا جائے۔ غرض یہ اعلان حج کے موقع پر ضروری تھا۔

آنحضرتؐ نے حضرت علیؓ کو یہ آیتیں دے کر اپنی اونٹنی پر سوار کرا کر روانہ کیا، اور حکم دیا کہ بعد حج یوم النحر کھڑے ہو کر سنا دینا۔ حضرت علیؓ روانہ ہوئے اور منزل ذوالحلیفہ میں حضرت ابو بکرؓ کے قافلہ سے جا ملے حضرت ابو بکرؓ نے ان سے دریافت کیا کہ تم امیر ہو کر آئے ہو یا مامور ہو کر حضرت علیؓ نے جواب دیا کہ میں مامور ہو کر آیا ہوں۔ امیر حج آپ ہی رہیں گے۔ مجھ کو صرف یہ آیتیں سنانے کا حکم دیا گیا ہے کہ بعد حج یوم النحر کھڑے ہو کر سنا دینا۔ وہاں سے روانہ ہو کر مکہ میں پہنچے۔ حضرت ابو بکرؓ نے امیر ہونے کی حیثیت سے

ارکان حج ادا کئے اس کے بعد حضرت علیؓ نے سورہ برآت کی آیات سنائیں۔ مختلف روریات جو اوپر بیان کی گئی ہیں ان میں کس قدر تفاوت ہے، دیکھیں۔

ترجمہ شیخ الہند پر عثمانی صاحب لکھتے ہیں کہ اعلان حضرت علیؓ نے کیا بخاری میں لکھا ہے کہ یہ اعلان حضرت ابو بکرؓ نے اپنے آدمیوں کے ذریعہ جن میں راوی ابو ہریرہ بھی شامل تھے کرایا۔ حمید بن عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ پھر یہ اعلان حضرت علیؓ نے کیا تاریخ اسلام میں درج ہے کہ یہ آیات اس وقت نازل ہوئیں جب ابو بکرؓ امیر حج ہو کر جا چکے تھے اور بعد میں ان آیات کو لے کر حضورؐ نے حضرت علیؓ کو روانہ کیا، راستے میں ابو بکر سے حضرت علیؓ ملے اور کہا کہ مجھے اس غرض سے روانہ کیا گیا ہے۔ تب ابو بکرؓ نے معلوم کیا کہ آپ امیر بن کر آئے ہیں یا مامور۔ تو علیؓ نے کہا کہ مامور اور پھر یہ اعلان حضرت علیؓ نے کیا۔ مودودی صاحب بھی یہی لکھتے ہیں کہ ابو بکرؓ کے جانے کے بعد یہ آیتیں نازل ہوئیں تب علیؓ کو روانہ کیا گیا۔ روایات تاریخ اور تفسیر میں کس قدر فرق ہے جو باعث حیرت ہے۔

اوپر کی روایات سے یہ اہم امر قطعی طور پر صاف ہے کہ اُس سال شروع سے آخر تک امیر حج ابو بکرؓ ہی رہے اور ان کو اس ذمہ داری سے معزول نہیں کیا گیا۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ علیؓ کی حیثیت مامور کی تھی اور دورانِ حج جملہ مقامات منیٰ، عرفات، مزدلفہ اور خانہ کعبہ میں وہ ابو بکرؓ کے احکام اور ہدایات کے بجالانے کے پابند تھے۔ اسلام کے نظم وضبط اور قاعدے، کلّیے کے مطابق علیؓ اُس وقت ابو بکرؓ کی ماتحتی میں تھے اور خود مختار عامل نہ تھے۔

ایسی صورتِ حال میں آیات برآت کے اعلان کے لئے محض اور محض ابو بکرؓ ہی مجاز تھے۔ اور جیسا کہ حدیث ۱۷۵۸ء میں ابو ہریرہ کی روایت سے عیاں ہے کہ یہ اعلان ابو بکرؓ نے ہی کیا یا کرایا۔ اور علی نے بحیثیت خود مختار عامل نہیں کیا۔ ہاں ایک بات قابل غور ہے وہ یہ کہ اس زمانہ میں موجودہ زمانہ کی طرح لاؤڈ اسپیکر وغیرہ کی سہولیات میسر نہ تھیں۔ ظاہر ہے کہ حجاج کیمپ در کیمپ ایک طویل وعریض علاقہ میں پھیلے ہوں گے، اس لئے آیات برآت کا اعلان کرنے کے لئے ابو بکر نے من جملہ اپنے دیگر متعدد کارکن متعین کئے ہوں گے اور ابو ہریرہ کی روایت کے مطابق اوروں کے ساتھ علیؓ بھی ان کارکنان میں شامل ہوں

گے۔ ایسی صورت میں بھی یہ اعلان ابوبکرؓ کی طرف سے ہی مانا جائے گا۔ کچھ روایات اس طرح کی بھی ہیں کہ آیات برآت کا اعلان ایک اہم اعلان تھا اس لئے حضورؐ نے اسے اپنے خاندان کے ایک اہم فرد کے ذریعہ کرایا۔ عام خیال کے مطابق علیؓ کو حضور کے اہل بیت میں شمار کیا جاتا ہے اور ان کی حیثیت حضور کے خاندان کے ایک اہم فرد کی مانی جاتی ہے۔ اس لئے اکثریت نے اس روایت کو تسلیم کرلیا ہے کہ آیات برآت کا اعلان علیؓ نے کیا۔ لیکن جیسا کہ اوپر بیان کیا جاچکا ہے۔ یہ روایت درست نہیں ہے دراصل یہ اعلان ابوبکرؓ نے ہی کیا ویسے بھی جملہ مومنین جو قیامت تک آئیں گے وہ سب حضورؐ کے اہل بیت ہیں۔ ان میں بحیثیت مومن علیؓ اور ان کی اولاد بھی شامل ہیں۔

اگر یہ بات صحیح مان لی جائے کہ حضورؐ نے علیؓ کو ہی اپنے خاندان کا ایک اہم فرد ہونے کی بناء پر آیات برآت کے اعلان کرنے کا مجاز بنایا تھا اور انہوں نے ہی یہ اعلان کیا تو اس سے کئی سنگین اور پیچیدہ مسائل سامنے آجائیں گے۔ ایک تو یہ کہ علیؓ کو خاندان نبیؐ کا فرد ہونے کی بناء پر ترجیحی حیثیت حاصل ہوگی اور دوسرے خاندانی عصبیت کا پہلو بھی اجاگر ہوگا۔ یہ دونوں باتیں اسلام کی اقدار کے منافی ہیں اور مقام رسالت سے فروتر ہیں۔ رسولؐ کا مقام ہر طرح کے خاندانی تعلقات اور قرابت داریوں سے بالاتر ہے۔ رسولؐ کو پوری انسانیت کے لئے اور رہتی دنیا تک کے لئے مبعوث فرمایا گیا ہے۔

علاوہ ازیں اس طرح کی روایت سے ابوبکرؓ کے تئیں بھی اہانت کا پہلو نکلتا ہے ان کے ذریعہ آیات برآت کا اعلان نہ کرائے جانے کی بات بھی ان کے امیرِ حج کے مقام سے مناسبت نہیں رکھتی۔ ابوبکرؓ ایک جلیل القدر صحابی اور ایک اہم شخصیت کے حامل ہیں۔ حضورؐ نے ان کو اپنا جانشین مقرر فرمایا جس کا ثبوت یہ ہے کہ اپنی بیماری کی حالت میں ان سے نماز کی امامت کرائی۔

مندرجہ بالا گزارشات سے یہ امر قطعی طور پر عیاں ہوجاتا ہے کہ حضورؐ نے آیات برآت علیؓ کے ذریعہ مکہ ضرور روانہ فرمائی تھیں۔ لیکن ان کی حیثیت محض ایک قاصد اور مامور کی تھی۔ اور ان آیات کا اعلان ابوبکرؓ جو امیر حج تھے سے کرایا۔ یہ ہی بات اصولِ اسلام اور شان رسالت کے عین مطابق ہے۔

کیا بوقت وفات حضورؐ کچھ لکھنا چاہتے تھے؟

یہ واقعہ عرف عام میں واقعہ قرطاس سے موسوم ہے۔ یہ واقعہ بہت زیادہ متنازعہ فیہ ہے۔ اس معاملہ میں مورخین اور راویان دو گروہوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ ایک گروہ اس واقعہ کی صحت کی تائید کرتا ہے جب کہ دوسرا گروہ اس کے وقوع کی قطعی تردید کرتا ہے۔ پہلے گروہ سے متعلق راویان کہتے ہیں کہ جب حضورؐ کا مرض سخت ہوگیا تو آپ نے لکھنے کا سامان طلب فرمایا تا کہ آپ ایک نوشتہ لکھ دیں۔ جس کے بعد امت گمراہ نہ ہو مگر عمرؓ نے نہیں لکھنے دیا۔ اس کے برعکس دوسرا گروہ اس کے وقوع کا ہی انکاری ہے۔ لایئے اس معاملہ پر تفصیلی نگاہ ڈالیں۔

''ابن عباس سے روایت ہے کہ جب نبیؐ کا مرض سخت ہوگیا تو آپ نے فرمایا کہ میرے پاس لکھنے کی چیزیں لاؤ تا کہ میں تمہارے لئے ایک نوشتہ لکھ دوں کہ اس کے بعد تم گمراہ نہ ہوگے۔ عمرؓ نے کہا نبیؐ پر مرض غالب ہے اور ہمارے پاس اللہ کی کتاب ہے وہ ہمیں کافی ہے۔ پھر صحابہ نے اختلاف کیا یہاں تک کہ شور بہت ہوگیا تو آپ نے فرمایا کہ میرے پاس سے اٹھ جاؤ اور میرے پاس (تم کو) جھگڑنا نہ چاہئے۔ (یہاں تک بیان کرکے) ابن عباس (اپنی جگہ سے) یہ کہتے ہوئے باہر آگئے کہ بے شک مصیبت ہے اور بڑی سخت مصیبت، رسول اللہ اور ان کے لکھنے کے درمیان کیا چیز حائل ہوگئی (بخاری) اب قرآن کا فرمان ملاحظہ فرمائیں۔

سورت مائدہ ۵ آیت ۶۷، اے رسولؐ پہنچادے جو تجھ پر اُترا تیرے رب کی طرف سے اور اگر ایسا نہ کیا تو تو نے کچھ نہ پہنچایا اس کا پیغام اور اللہ تجھ کو بچالے گا لوگوں سے بے شک اللہ راستہ نہیں دکھلاتا قومِ کفار کو۔

سورہ النجم ۵۳ آیت ۳، اور نہیں بولتا اپنی خواہش نفس سے (۴) یہ تو حکم ہے بھیجا ہوا۔

اوپر کی حدیث کہتی ہے کہ حضورؐ آخری وقت میں وہ بات لکھنا چاہتے تھے جس کے

ہوتے ہوئے امّت گمراہ نہ ہوتی۔ موئیدین واقعہ قرطاس کہتے ہیں کہ آپؐ کا یہ لکھنا اللہ کے حکم کے مطابق تھا جیسا کہ سورہ نجم کی آیت ۳،۴ سے ظاہر ہو رہا ہے۔ مگر حضرت عمرؓ نے نہ لکھنے دیا اور آپ کے پاس آپس میں دو گروہ ہو کر شور کرنے لگے۔ اس وجہ سے حضورؐ نے کہا کہ تم کو یہاں جھگڑنا نہ چاہئے تھا۔ باہر چلے جاؤ، حضرت ابن عباس راوی یہ کہہ کر باہر نکل گئے کہ لکھنے میں کیا حائل ہو گیا۔ بڑی مصیبت ہے اس طرح جو حقیقت تھی وہ نہ لکھی گئی اور حضرت عمرؓ نے نہ لکھنے دی۔

اب آپ آیت ۵/ ۶۷ دیکھیں جس میں کہا گیا ہے کہ اے نبیؐ جو تم پر نازل ہو رہا ہے اس کو فوراً جوں کا توں پہنچا دو اگر ایسا نہ کیا تو حق رسالت ادا نہ کیا لوگوں سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ آیت کا حکم بالکل صاف ہے۔ یعنی جو کچھ نبیؐ پر نازل ہوا تھا اسے آپ نے جوں کا توں پہنچا دیا۔ اگر اوپر کی روایت کو مان لیں تو یہ پہلو نکلتا ہے کہ (نعوذ باللہ) حضورؐ کوئی ایسی بات لکھنا چاہتے تھے جو امّت تک پہنچانے سے رہ گئی تھی تو گویا حق رسالت ادا نہ ہوا تھا (نعوذ باللہ) دوسری بات یہ کہ حضرت عمرؓ اور ان کے ساتھی حضورؐ کی اطاعت سے نکل گئے تھے کیا یہ ممکن ہے؟ تیسری بات یہ کہ جب صحابہ وہاں سے اٹھ گئے تھے تو حضورؐ اس وقت لکھ دیتے کیوں کہ اس وقت کوئی امر مانع نہ تھا دیکھنا یہ ہے کہ واقعی حضورؐ کچھ لکھنا چاہتے تھے۔ اور کیا کوئی کمی رہ گئی تھی جس کا پورا کرنا امّت کے حق میں بہتر ہوتا۔ دراصل واقعہ قرطاس کی تائید میں جو روایت بیان کی گئی ہے وہ گھڑی ہوئی ہے۔ جس وقت کا یہ واقعہ بتلایا جاتا ہے وہ نبی کی وفات کے کچھ وقفہ قبل کا ہے۔ اس وقت تک نزول وحی کا اختتام ہو چکا تھا۔ اور قرآن مکمل ہو چکا تھا۔ نبیؐ نے حق رسالت پوری پوری طرح ادا کیا اور جو کچھ آپ پر نازل ہوا وہ آپ نے کماحقہ، امت کو پہنچا دیا۔ جو اس وقت قرآن کی شکل میں موجود تھا۔ اور قرآن کی تکمیل ہو چکی تھی۔ ایسی صورت میں حضور کو مزید کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں تھی اور نہ آپ نے کچھ لکھنے کی خواہش ظاہر کی مشہور مورّخ علامہ ابن خلدون نے بھی واقعہ قرطاس کی بہت ہی سختی سے تردید کی ہے اور اس کے وقوع سے قطعی انکار کیا ہے۔ دراصل یہ روایت منافقین کی گھڑی ہوئی ہے جس کو کتب احادیث و تواریخ میں جگہ مل گئی ہے۔ اس کی بنیاد پر

امّت میں زبردست اختلاف اور انتشار پھیلا ہے جو فتنہ فساد اور خوں ریزی کا سبب بنا ہے۔ بہر حال منافقین اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ اور مخالفین نے اس روایت کو خوب خوب ہوا دی ہے۔ بہر حال ضروری ہے کہ واقعہ قرطاس کے وقوع کی تردید کی جائے اور اسے رسول کریمؐ سے منسوب نہ کیا جائے۔

کیا آپ نے کسی بیوی کو طلاق دی؟

سورہ احزاب میں اللہ نے حضورؐ کو منع کر دیا کہ آپ اپنی بیویوں کو طلاق نہ دیں گے اور دوسرے نکاح کو بھی منع کر دیا۔ تاریخ اور سیرت کی اکثر کتابوں سے بھی اس بات کی نشان دہی نہیں ہوتی کہ آپ نے کسی بیوی کو طلاق دی ہو۔ اس سلسلہ میں سورہ احزاب کے ان احکام کو دیکھیں جن میں نبیؐ کو نکاح اور طلاق کے متعلق ہدایات دی گئی ہیں۔

سورہ احزاب ۳۳ آیت ۵۲۔ حلال نہیں تجھ کو عورتیں اس کے بعد اور نہ یہ کہ ان کے بدلے کرے اور عورتیں (یعنی ان کو طلاق دے کر) اگرچہ خوش لگیں تجھ کو ان کی صورت اور یقیناً یہی حکم ان کے لئے ہے جو مال ہو تیرے ہاتھ کا (یعنی جو تیری کفالت میں ہوں) اب بخاری میں منقول روایتوں پر نظر ڈالیں۔ بخاری جلد سوم کتاب طلاق صہ ۸۷ حدیث ۲۳۹۔۲۴۰

(۲۳۹) اوزاعی فرماتے ہیں۔ میں نے زہری سے پوچھا کہ نبیؐ کی کون سی بیوی نے آپؐ سے پناہ مانگی تھی۔ زہری نے کہا مجھے عروہ نے خبر دی کہ حضرت عائشہؓ نقل کرتی ہیں کہ دختر جون جب رسولؐ کے یہاں آئی اور آپؐ اس کے قریب گئے تو وہ کہنے لگی میں تجھ سے اللہ کی امان چاہتی ہوں۔ آپؐ نے اس سے فرمایا کہ تو نے بہت بڑے کی امان مانگی (جا) اپنے رشتہ داروں میں مل جاؤ اس حدیث کو بخاری نے دوسری سند سے متصل روایت کیا ہے ۲۴۰ ابو سید فرماتے ہیں ہم نبیؐ کے ہمراہ نکل کر ایک باغ کے قریب پہنچے جسے شوط کہتے تھے جب کہ ہم اس کی دیواروں کے درمیان پہنچے اور وہاں بیٹھ گئے۔ آپ نے فرمایا تم یہیں بیٹھے رہو

پھر آپ اندر تشریف لے گئے وہاں جونیہ ایک بستان سرائے میں لائی گئی جس کا امیمہ دختر نعمان بن شراحیل نام تھا۔ اور اس کے ہمراہ اس کی دایہ اس کی دودھ پلانے والی بھی تھی۔ جب رسولؐ اللہ اس کے پاس گئے اور اس سے کہا کہ اپنا نفس تو مجھے دیدے۔ اس نے جواب دیا کہیں ملکہ بھی بازاری لوگوں کو اپنا نفس ہبہ کرسکتی ہے۔ ابواسید کہتے ہیں آنحضرتؐ نے سوچا کہ اپنا ہاتھ اس پر رکھ کر اسے تسکین دیں۔ وہ بولی میں تجھ سے خدا کی امان مانگتی ہوں۔ آپ نے جواب دیا تو نے بڑے پناہ دینے والے سے امان مانگی! پھر ہمارے پاس چلے آئے اور فرمایا اے ابواسید اسے دو کپڑے رازقی یعنی سفید کپڑے پہنا کر اس کے کنبہ والوں کے پاس پہنچادے۔ سہل بن سعد اور ابواسید کہتے ہیں کہ نبیؐ نے امیمہ بنت شراحیل سے نکاح کیا جبکہ آنحضرت کے پاس لائی گئی آپ نے اس کی طرف ہاتھ دراز کیا۔ اس نے اس کو مکروہ جانا آپؐ نے ابواسید کو ارشاد فرمایا کہ اس کا سامان کردے اور دو سفید کپڑے پہنا دے۔ بخاری کی مندرجہ بالا روایت میں حاشیہ ۲ کی تشریح بخاری کے الفاظ میں اس طرح ہے۔ یہ لفظ بالکنایہ طلاق ہے اگر کوئی کہے ابھی نکاح تو ہوا نہ تھا آپؐ نے طلاق کیسے دی اس کا جواب یہ ہے کہ آنحضرتؐ مختار تھے کہ کسی عورت سے نکاح کریں کیوں کہ آپ امّت کے ولی ہیں یا اس کے ولی کی اجازت سے نکاح کریں۔ اور یہ جو آپ نے عورت سے کہا تو مجھے اپنا نفس دیدے تو اس کی خاطر داری کے طور پر تھا جب اس نے آپ سے نکاح مکروہ جانا تو آپؐ نے اسے چھوڑ دیا یہی باب کا ترجمہ ہے سورہ احزاب میں ترجمہ شیخ الہند پر تفسیر عثمانی صاحب۔

(۲) صفحہ ۵۶۴۔ روایات میں ہے کہ حضرت نے ایک عورت سے نکاح کیا جب اس کے نزدیک گئے کہنے لگی اللہ تجھ سے پناہ دے حضرت نے اس کو جواب دیا کہ تو نے بڑے کی پناہ پکڑی۔ اس پر یہ حکم فرمایا اور خطاب فرمایا ایمان والوں کو تا معلوم ہو کہ پیغمبر کا خاص حکم نہیں سب مسلمانوں پر یہ ہی حکم ہے اسی کے موافق حضرت نے اس کو جوڑا دے کر رخصت کردیا۔ پھر وہ ساری عمر اپنی محرومی پر پچھتاتی رہی۔

نبیؐ کی بیویاں امّت کی مائیں ہیں اس لئے ان سے کوئی مسلمان نکاح نہیں کرسکتا

اس لئے اس سے بھی کسی نے نکاح نہ کیا ہوگا مگر ان چند سطور میں اس کا ذکر ہوکر پھر پوری عمر کا ذکر کسی بھی کتاب میں نہیں ملتا کہ آخر وہ کہاں غائب ہوگئی تھی؟ اس لئے یہ واقعہ قابل غور ہے۔

ان حدیثوں کے بارے میں جب میں نے ایک عالم سے دریافت کیا تو انہوں نے بتلایا کہ ایک لڑکی سے حضور کا نکاح ہوا وہ آپ کے گھر آئی تو حضورؐ کی دوسری بیویوں نے حسد کی وجہ سے اس عورت کو یہ سکھا دیا کہ جب حضورؐ تمہارے پاس آئیں تو یہ الفاظ کہنا (میں تجھ سے خدا کی امان مانگتی ہوں) یہ لفظ حضورؐ کو بہت پسند ہیں۔ دوسرے یہ کہ اس عورت کو حضورؐ کے مرتبہ کا پتہ نہیں تھا کہ آپ نبیؐ ہیں۔ یہ سن کر میں نے سوال کیا کہ جب حضورؐ نے نکاح کیا ہوگا تو اس لڑکی سے ضرور اجازت مانگی ہوگی اور مہر بھی مقرر کیا ہوگا۔ دوسرے یہ کہ وہ لڑکی مسلمان ہوگی۔ اور عربی زبان کو جانتی ہوگی۔ جو الفاظ اس عورت کو سکھائے گئے تھے ان کا وہ مطلب بھی جانتی ہوگی۔ اس لئے وہ ان الفاظ کو ادا نہیں کرسکتی تھی۔ دوست تو دوست دشمن بھی حضورؐ کو جانتے تھے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں پھر ایک مسلمان لڑکی کے لئے یہ کیسے مان لیا جائے کہ وہ حضورؐ کو نہیں جانتی تھی۔ حدیث کے الفاظ ایسے ہیں ان کو کوئی بھی عقل سلیم رکھنے والا انسان تسلیم نہیں کرسکتا اور ایمان کا تقاضہ یہ ہے کہ ان کو ایک دم مسترد کردینا چاہئے۔ کیوں کہ یہ حضورؐ پر بہتان عظیم ہے۔ حدیث میں ایک لفظ ملکہ کے ساتھ بازاری ہے۔ بازاری لفظ کے معنی ہر آدمی جانتا ہے کہ کیا ہیں؟ یعنی برے چال چلن والا آدمی بخاری کو یہ لفظ لکھتے وقت کچھ بھی احساس نہ ہوا کہ میں کیا لکھ رہا ہوں۔ جیسا کہ امام بخاری کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ بہت نیک آدمی تھے اگر تھے تو انہوں نے یہ حدیث نہیں لکھی بعد میں کسی منافق نے ان کی کتاب میں شامل کردی تو پھر بعد والوں نے اس حدیث کو کتاب سے خارج کیوں نہ کیا۔ یہ لفظ بازاری میرے آقا کی شان کو بڑی بُری طرح مجروح کررہا ہے۔ اور ساتھ میں ازواج کے کردار کو بھی حدیث کے الفاظ اور علماء کی تاویل مجروح کررہے ہیں تاویل تو اور بھی کی ہیں لیکن یہاں تو صرف چند پر ہی قلم روک دیا گیا۔

حدیث میں لکھا ہے کہ وہ لڑکی باغ میں لائی گئی تھی اور ساتھ میں اس کی آیا بھی

تھی، اور لکھا ہے کہ آپ نے اس سے نکاح کیا تھا نکاح تو اور دوسری ازواج سے بھی کیا تھا تو
کیا ان سب کو بھی آپ کے لئے پہلے ایسے ہی باغ میں لایا گیا تھا جیسے آج کل شادی ہونے
کے بعد ہنی مون منانے کے لئے کسی دوسرے اچھے مقام پر جاتے ہیں۔ کیا نبی کے بارے
میں بھی اسی طرح کا قیاس کیا جاسکتا ہے؟ دراصل نبی کی سبھی ازواج نکاح کے بعد آپ کے
حجروں میں ہی لائی گئیں اور ان ہجروں میں انہوں نے نبی کے ساتھ زندگی بسر کی۔ اور یہی
سادہ روی نبی کی شایان شان ہے۔

جب اللہ نے نبی کے لئے طلاق کو منع کر دیا ہے تو نبی کے کسی عورت کو طلاق دینے
کا سوال ہی نہیں تھا۔ یہ سب ہوتے ہوئے بھی ہم غلط روایتوں کو صحیح تسلیم کئے جاتے ہیں، یہ
کیا بات ہے؟ بات صرف یہ ہے کہ ہم کو ٹھیک تعلیم سے ہٹا کر غلط تعلیم پر لگا دیا گیا ہے۔ اس
روایت کو گھڑنے کا صرف یہ یہی مقصد ہوسکتا ہے کہ مطلقہ کے نان نفقہ میں صرف دو جوڑے
کپڑے رازقی جو حدیث میں لکھے ہیں دینے پڑیں جبکہ قرآن نان نفقہ کے بارے میں کچھ
اور حکم دیتا ہے دوسرے روایت میں ولی کی بات ہے تو حضورؐ کی وفات کے بعد ہر بادشاہ یا
امیر اپنے عوام کا ولی ہوتا ہے۔ اس روایت سے فائدہ اٹھا کر وہ جس عورت سے چاہے نکاح
کرے اور چاہے طلاق دیدے اور سب پریشانیوں سے بچ جائے۔ اور اس کے سبب
معاشرہ میں لاقانونیت جنم لے گی۔ زور زبردستی رواج پائے گی اور عورتوں کی عصمت محفوظ
نہ رہ سکے گی۔ اللہ ہماری حالت پر رحم کرے۔ ہم غور کریں کہ نبیؐ کے مقام اور شان کے
خلاف کس طرح کی لغو روایتیں رواج پا گئی ہیں۔ اور غضب یہ کہ ان کو صحیح اور درست بتلایا
جاتا ہے۔ جبکہ یہ نبی کی شان میں سنگین گستاخی ہے اور ساتھ ہی صحابہ ازواج اور بعد کے نیک
بزرگوں کو بھی بدنام کرنے کے مترادف ہے۔

کیا مال غنیمت میں حضرت علیؓ کا حصہ زیادہ تھا؟

حدیث بخاری میں اس عنوان سے جو حدیث روایت کی گئی ہے وہ ذیل میں درج کی جاتی
ہے۔

بخاری جلد دوم کتاب المغازی صہ ۳۸۷ حدیث ۱۴۶۹

۱۴۶۹ بریدہؓ کہتے ہیں نبیؐ نے حضرت علیؓ کو خالدؓ بن ولید کے پاس خمس لینے کے واسطے بھیجا
اور میں حضرت علیؓ سے دشمنی رکھتا تھا۔ اور حضرت علیؓ نہائے ہوئے تھے میں نے خالدؓ سے کہا
تم اس کو نہیں دیکھتے۔ جب ہم نبیؐ کے پاس آئے میں نے آپ سے یہ ذکر کیا آپ نے فرمایا
اے بریدہؓ کیا تو علیؓ سے عداوت رکھتا ہے۔ میں نے کہا ہاں آپ نے فرمایا تو علیؓ سے
عداوت نہ رکھ کیوں کہ علیؓ کا خمس میں اس سے بھی زیادہ استحقاق ہے۔ حضرت علیؓ نے خمس
میں سے ایک لونڈی خود لے لی تھی اس وجہ سے بریدہؓ ان سے ناراض تھے۔ اور یہ سمجھتے تھے
کہ علیؓ نے خیانت کی ہے، صبح کو جب حضرت علیؓ کو غسل کئے ہوئے دیکھا تو خالدؓ کو بھی دکھایا
کہ دیکھو علیؓ نے اس لونڈی سے رات کو زفاف بھی کر لیا اور اس لئے نہا کر آئے ہیں۔ جب
بریدہؓ نے رسول خداؐ سے ذکر کیا تو آپ نے بریدہؓ کو منع کر دیا کہ علیؓ سے دشمنی نہ رکھ علیؓ نے
خیانت نہیں کی ان کا پانچواں مقررہ (خمس) میں اس سے زیادہ حق ہے۔

حدیث سے ظاہر ہو رہا ہے کہ حضرت علیؓ نے مال خمس لے کر اس میں سے ایک
لونڈی سے مباشرت کی جس کی شکایت حضورؐ سے کی گئی حضورؐ نے اس صحابی سے کہا کہ تو علیؓ
سے دشمنی نہ رکھ علیؓ کا خمس میں زیادہ حق ہے۔

اب خمس کے بارے میں قرآن کا کیا حکم ہے دیکھیں:۔

انفال ۸ آیت نمبر ۴۱:۔ اور جان رکھو کہ جو کچھ تم کو غنیمت ملے کسی چیز سے سو اللہ کے واسطے
ہے اس میں سے پانچواں حصہ اور رسولؐ کے واسطے۔ اور قرابت والے کے واسطے (جو
ضرورت مند ہوں) اور یتیموں اور محتاجوں اور اللہ کے راستے کے کاموں کے واسطے اگر تم کو
یقین ہے اللہ پر اور اس چیز پر جو ہم نے اتاری اپنے بندے پر فیصلہ کے دن۔

خمس کی تقسیم کا مسئلہ آیت سے صاف ہو گیا کہ وہ حصہ مرکز کا ہے اور وصول کر کے
اس کو پہلے بیت المال میں داخل کیا جائے گا، اس کے بعد رسول کو یا وفات رسولؐ کے بعد
امیر وقت کو اختیار ہے کہ جو اللہ نے مدیں بتلائیں ہیں ان میں خرچ کرے۔ ایک مد قرابت
کی ہے تو رسولؐ یا امیر ضرورت اور قاعدے کے مطابق دیں گے اگر حقیقت میں وہ قریبی

ضرورت مند مستحق ہے اگر مستحق نہیں ہے تو نہیں ملے گا۔

وہ خمس جب تک بیت المال میں جمع نہ ہوگا اس سے پہلے کسی شخص کو اس میں تصرف کرنے کا حق نہیں ہے۔ اگر کرے گا تو وہ خیانت کا مرتکب ہوگا (قرآن حدیث) اس بات کو حضرت علیؓ بھی اچھی طرح جانتے تھے، اور حضورؐ کا تو کہنا ہی کیا، ان پر تو قرآن نازل ہی ہوا تھا۔ آپؐ سب سے زیادہ جاننے والے اور پابندی کرنے والے تھے۔ پھر حضرت علیؓ بغیر رسول کے دئے ہوئے کیسے تصرف کر لیتے اور کیسے حضورؐ علیؓ کا حق اس طرح کا تسلیم کرتے۔ اور بغیر باضابطہ تقسیم کے علی کو تصرف کی اجازت دے دیتے۔ ایک بات یہ بھی کہ کیا لونڈی سے بغیر نکاح مباشرت جائز ہے؟ کیا قرآن اس طرح کے فعل کی اجازت دیتا ہے؟ یہ قابل غور ہے۔

اس روایت کے ذریعہ حضورؐ اور علیؓ دونوں پر تعریف کے پردے میں تبرا کرنے کی ناپاک کوشش کی گئی ہے۔ دراصل نہ تو حضرت علیؓ ہی ایسا کر سکتے تھے۔ اور نہ حضورؐ ہی اس خلاف ضابطہ کام کو جائز بتا سکتے تھے۔

بخاری میں بھی اس بارے میں لکھا ہے کہ اگر کوئی لونڈی آتی ہے تو اس کا استبراء کیا جائے گا یعنی ایک حیض تک انتظار کرنا پڑے گا اگر حیض آتا ہے تو بعد نکاح مباشرت ہوگی اور اگر نہیں آتا تو وہ حمل سے ہے اور بچہ پیدا ہونے کا انتظار کیا جائے گا۔ حضرت علیؓ اس قانون کو اچھی طرح جانتے تھے اور خمس کے قانون کو بھی جانتے تھے۔ اس واقفیت کے بعد پھر یہ امر علیؓ سے کیسے سرزد ہو سکتا تھا؟ لہذا نہیں ہوا۔

کیا حضورؐ نے زانی کو سنگسار کیا؟

یہ مسئلہ بے انتہا متنازعہ فیہ ہے۔ ہر دور میں فقہا میں اس مسئلہ میں اختلاف رہا ہے اس سلسلہ کی جو روایتیں کتب احادیث میں درج ہیں ان کا قرآنی احکام کی روشنی میں جائزہ لینا ضروری ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ کیا رجم (زانی کو سنگسار کرنے) کا حکم قرآن سے

ثابت ہے؟ اور اگر قرآن سے رجم کا حکم ثابت نہیں ہے، تو کیا احادیث کی بناء پر زانی کو سنگسار کیا جا سکتا ہے؟ لہذا پہلے بخاری کی روایت لکھی جا رہی ہے۔ کتاب الحدود جلد سوم ص ۳۶۶، ۱۷۲۸

نمبر ۱۷۲۸۔ ابن عباسؓ سے روایت ہے۔ کہتے ہیں کہ میں مہاجرین میں سے چند لوگوں کو جن میں عبدالرحمٰنؓ بن عوف تھے قرآن شریف پڑھایا کرتا تھا۔ چنانچہ ایک دن میں ان کے گھر میں تھا اور وہ حضرت عمرؓ کے پاس گئے ہوئے تھے۔ اس حج کے دوران میں جو حضرت عمرؓ نے آخری کیا ہے۔ اور یکایک وہ واپس ہو کر میرے پاس آئے اور کہنے لگے اگر تم اس آدمی کو دیکھو (تو تمہیں بڑا تعجب ہو) جو آج امیر المومنین کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ اے امیر المومنین کیا آپ کو فلاں شخص کی ضرورت ہے جو کہتا ہے کہ اگر عمرؓ مر جائیں گے تو میں فلاں شخص کی بیعت کر لوں گا۔ اور قسم ہے خدا کی حضرت ابوبکرؓ کی بیعت یکایک ہو گئی تھی اور پھر پوری ہوئی (یعنی جیسے وہ انجام کو خیریت کے ساتھ پہنچ گئی اسی طرح جس شخص کی میں بیعت کروں گا اس کی بیعت بھی انجام کو پہنچ جائے گی) حضرت عمرؓ (اس بات کو سن کر) بہت غصہ ہوئے اور پھر فرمایا) انشاء اللہ شام کو کھڑے ہو کر میں سب لوگوں سے جو ان کے امور (متعلقہ خلافت) کو غصب کرنا چاہتے ہیں خوف دلاؤں گا عبدالرحمٰنؓ کہتے ہیں۔ میں نے کہا کہ اے امر المومنین ایسا نہ کیجئے گا کیونکہ یہ موقع حج کا ہے جاہل اور رذیل ہر قسم کے لوگ یہاں جمع ہیں۔ اور جب آپ کھڑے ہوں گے تو یہی (جاہل) لوگ آپ کے قریب ہوں گے۔ اور میں خوف کرتا ہوں کہ آپ کھڑے ہوں اور کوئی بات فرمائیں، اور اڑانے والے اس کو اڑا کر اس کی حفاظت نہ کریں اور جہاں اسے رکھنا چاہئے وہاں نہ رکھیں، پس (میرے نزدیک مصلحت یہی ہے کہ) آپ انتظار کریں کہ مدینہ پہنچ جائیں کیونکہ مدینہ دار الہجرت والسنّت ہے وہاں آپ سمجھدار اور شریف لوگوں کو چن کر جو کچھ فرمانا ہو اچھی طرح سے فرمائیں تاکہ اہل علم آپ کی گفتگو کو یاد کر کے اس کے ٹھکانے سے اسے رکھیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا قسم ہے خدا کی میں مدینہ میں کھڑے ہو کر سب سے پہلے یہی بیان کروں گا۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں پھر ذی الحجہ کے آخر میں ہم مدینہ آئے اور جمعہ کا دن ہوا، تو میں آفتاب کے

ڈھلتے ہی جلدی کر کے چلا یہاں تک کہ سعیدؓ بن زید بن عمرو بن نفیل کو میں نے منبر کے پاس بیٹھے ہوئے پایا، میں بھی ان کے پاس بیٹھ گیا (ایسے نزدیک) کہ انکا گھٹنا میرے گھٹنے سے ملا ہوا تھا۔ پھر تھوڑی دیر نہ گزری تھی کہ حضرت عمرؓ تشریف لائے میں نے جوان کو آتے دیکھا تو سعیدؓ بن زید بن عمرو بن نفیل سے کہا کہ آج حضرت عمرؓ ایسی بات کہیں گے جو کبھی نہ کہی ہوگی۔ سعیدؓ نے (تعجب سے) میری بات کا انکا کیا اور کہا کہ مجھے یہ امید نہیں ہے کہ حضرت عمرؓ ایسی بات فرمائیں گے جو کبھی نہ فرمائی ہوگی اور (اتنے عرصے میں) حضرت عمرؓ منبر پر آ کر بیٹھے اور جب لوگ خاموش ہو گئے تو آپ کھڑے ہوئے اور خدا تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کر کے فرمایا! امابعد (اس وقت) ایسی بات کہتا ہوں جس کا کہنا میرے مقدر میں تھا میں نہیں جانتا ہوں شاید یہ میری موت کے آگے آگے ہو (یا نہ ہو) جس نے (میرے) اس (کہنے) کو سمجھا اور یاد کیا اس کو چاہئے کہ جہاں تک وہ پہنچے اس بات کو بھی پہنچا دے، اور جس کو یاد نہ رہے تو میں کسی کو اجازت نہیں دیتا ہوں کہ وہ میرے اوپر جھوٹ بولے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمدؐ کو حق کے ساتھ معبوث کیا تھا اور (اپنی) کتاب آپ پر نازل فرمائی تھی اس نازل شدہ کتاب میں سے آیت رجم بھی ہے، جس کو ہم نے پڑھا اور سمجھا اور یاد کیا رسولؐ نے (زانی محصن کو) سنگ سار کیا ہے اور آپ کے بعد ہم نے اس کو سنگ سار کیا ہے۔ مجھ کو یہ خوف ہے کہ زمانہ دراز گزرنے کے بعد کہنے والا یہ کہنے لگے کہ ہم کتاب اللہ میں یہ آیت رجم نہیں پاتے اور پھر وہ (کہنے والے) خدا کے فریضہ (رجم) کو ترک کر کے گمراہ ہو جائیں، جس کو خدا نے نازل کیا ہے اور رجم کتاب اللہ میں (موجود) ہے جس نے زنا کیا ہو اگر اس کی شادی ہوگئی ہے چاہے مرد ہو یا عورت ہو جب گواہ قائم ہو جائیں یا حمل ہو یا اقرار ہو (تو ان سب صورتوں میں) رجم فرض ہے اور کتاب اللہ میں ہی سے ہم یہ پڑھتے تھے کہ (اے لوگو!) تم اپنے باپوں سے بیزار مت ہو کیونکہ تمہارے واسطے کفران نعمت ہے یا (یوں فرمایا) کہ بے شک تمہارے واسطے کفران نعمت ہے کہ تم اپنے باپوں سے بیزار ہو کر دوسروں کو اپنا باپ بناؤ اور اے لوگو! خبردار ہو رسولؐ خدا نے فرمایا ہے کہ میری زیادہ تعریف نہ کرنا جیسے کہ عیسیٰؑ بن مریم کی تعریف کی جاتی ہے (مجھ کو یوں ہی) کہو کہ اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے

رسولؐ ہیں، اور (اے لوگو!) مجھ کو یہ بات پہنچی ہے کہ تم میں سے کوئی کہنے والا یہ کہتا ہے کہ اگر (حضرت) عمرؓ مر گئے تو میں فلاں (شخص یعنی طلحہؓ بن عبیداللہ) کی بیعت کروں گا۔ پس کوئی شخص یہ کہہ کر فریب نہ دے کہ حضرت ابوبکرؓ کی بیعت یکا یک (بغیر مشورے کے) ہوئی تھی اور پوری ہوگئی، معلوم ہو کہ وہ بیشک ایسی ہی تھی مگر اللہ نے اس کے شر سے بچایا اور تم میں کوئی ایسا نہیں ہے جس میں حضرت ابوبکر جیسی فضیلت ہو۔۔۔

روایت پڑھنے کے بعد ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ مضمون میں نہ تو الفاظ کا ربط ہے اور نہ ہی زمانہ کا، آدمی کچھ بھی واقفیت صحیح طرح سے حاصل کرنے میں پریشانی محسوس کرے گا خیر یہ تو راہی ایک انشاء کی بات لیکن بات دوسری کرنی ہے۔

روایت میں ہے کہ مکہ میں جاہل اور رذیل لوگ جمع ہیں اس لئے آپ مدینہ میں چل کر سمجھدار اور شریف آدمیوں کو چن کر یہ بات کہیں؟ جب کہ کوئی ضروری بات حج کے موقع پر ہی کہنا ضروری ہے جس سے پوری اسلامی مملکت میں پہنچ جائے۔ لیکن چھنے والی بات تو مدینہ میں بھی پوری نہیں ہوئی۔ نماز جمعہ میں بھی حج کی طرح بقول راوی ہر طرح کے افراد آتے ہیں؟ کیا جمعہ میں ہر طرح کے افراد کے آنے پر کوئی پابندی ہے؟

روایت میں حضرت عمرؓ کا یہ بیان نقل کیا گیا ہے کہ سنگ ساری (رجم) کا حکم قرآن میں ہے۔ اس کے برعکس قرآن میں زانی کو سنگ سار کرنے کا حکم کہیں نظر نہیں آتا۔ قرآن میں کیا ہے ملاحظہ فرمائیں۔ سورۃ نور ۲۴ آیت ۱۔ یہ ایک سورت ہے کہ ہم نے اُتاری اور ذمہ پر لازم کی اور اتاریں اس میں صاف باتیں تا کہ تم یاد رکھو۔

(۲) بدکاری (زنا) کرنے والی عورت اور مرد سو مارو ہر ایک کو دونوں میں سے سو سو دُرّے اور نہ آئے تم کو ان پر ترس اللہ کا حکم چلانے میں۔ اگر تم یقین رکھتے ہو اللہ پر اور پچھلے دن پر اور دیکھیں ان کا مارنا ایک گروہ مومنین میں سے۔

(۳) بدکار مرد نہیں نکاح کرتا مگر بدکار (زانی) عورت سے یا مشرک سے اور زانی عورت نکاح نہیں کرتی مگر زانی مرد یا مشرک سے اور یہ حرام ہوا ہے ایمان والوں پر۔

سورہ النساء ۴ آیت ۲۵۔ اور جو کوئی نہ رکھے تم میں مقدور اس کا کہ نکاح میں لاوے بیبیاں

مسلمان تو نکاح کرے ان سے جو تمہارے ہاتھ کا مال ہیں۔ جو تمہارے آپس کی لونڈیاں ہیں مسلمان۔ اور اللہ کو خوب معلوم ہے تمہاری مسلمانی تم آپس میں ایک ہو۔ سو ان سے نکاح کروان کے مالکوں کی اجازت سے اور دو ان کے مہر موافق دستور کے۔ قید میں آنے والیاں ہوں نہ مستی نکالنے والیاں اور نہ چھپی یاری کرنے والیاں، پھر جب وہ قید نکاح میں آ چکیں تو اگر کریں بیحائی کا کام تو ان پر آدھی سزا ہے شادی شدہ بیویوں کی سزا سے، یہ اس کے واسطے ہے جو کوئی تم میں ڈرے تکلیف میں پڑنے سے اور صبر کرو تو بہتر ہے تمہارے حق میں اور بخشنے والا مہربان ہے۔

احزاب ۳۳۔ آیت ۳۰۔ نبی کی عورتو! جو کوئی کرلائے تم میں کام بیحائی کا صریح دونا ہو اس کو عذاب دوہرا اور ہے یہ اللہ پر آسان۔ بنی اسرائیل ۱۷۔ آیت ۳۲۔ اور پاس نہ جاؤ زنا کے وہ ہے بے حیائی اور بُری راہ۔

روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے کہا کہ آیت رجم قرآن میں ہے۔ حضورؐ نے اس پر عمل کیا اور ہم نے بھی عمل کیا۔ عمرؓ مزید فرماتے ہیں کہ کہیں آگے چل کر لوگ گمراہ نہ ہو جائیں اور رجم ترک کردیں اور کہیں آیت رجم ہم قرآن میں نہیں پاتے؟ درحقیقت قرآن رسولؐ پر نازل ہوا، آپ پر ہی اس کی تکمیل ہوئی، آپ نے ہی اسے جمع فرمایا اور اسے رکوع و سورتوں میں ترتیب دیا۔ حضرت عمرؓ جس وقت منبر پر تقریر فرما رہے تھے، قرآن مکمل صورت میں آپ کے سامنے موجود تھا۔ اگر رجم کے احکام پر مشتمل کوئی آیت یا آیات قرآن میں موجود ہوتیں تو آپ ان آیات کی پوری صراحت کے ساتھ نشان دہی فرماتے اور بتلاتے کہ فلاں سورۃ اور فلاں رکوع میں متعلقہ آیات موجود ہیں اور آپ مجمل اور مبہم بات نہ کہتے۔ یہ امر متفق الیہ ہے کہ قرآن اپنے نزول سے لے کر آج تک اپنی اصل شکل میں محفوظ ہے اور ہر طرح کی تحریفات سے پاک ہے اور کیوں نہ ہو اللہ تعالیٰ نے خود اس کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے۔

حضرت عمرؓ سے منسوب تقریر سے ایک اہم بات سامنے آتی ہے کہ زانی کو رجم کی سزا صرف اسی صورت میں دی جاسکتی ہے جب کہ اس سے متعلق احکام قرآن میں صراحت

کے ساتھ موجود ہوں۔ اور اگر قرآن میں اس بارے میں احکام نہیں ہیں تو رجم کی سزا کا کوئی جواز نہیں ہے۔ یوں بھی ایک مومن کی جان (بھلے ہی وہ زانی ہو) محض قانون کے تحت ہی لی جاسکتی ہے۔ قانون کے خلاف نہیں اور قانون کا مطلب ہے قرآن کے صریح احکام پورے قرآن کو دیکھ لیں۔ اس میں کوئی بھی آیت یا آیات ایسی نہیں ہیں جن میں زانی کو رجم کی سزا مقرر کی گئی ہو۔ فقہا کہتے ہیں کہ شادی شدہ زانی کو پتھر مار مار کر ہلاک کیا جائے گا۔ اور بغیر شادی شدہ کو سو کوڑے مارے جائیں گے۔ وہ سو کوڑوں میں مر بھی سکتا ہے اور بچ بھی سکتا ہے۔ قرآن میں زانی خواہ شادی شدہ ہو یا کنورا، مرد ہو یا عورت، سورہ نور کے احکام کے مطابق صرف سو کوڑوں کی سزا مقرر کی گئی ہے۔ بہرحال اس پہلو پر بھی غور کرلیا جائے کہ کہیں کسی گوشے سے سنگ ساری کا جواز ثابت ہوتا ہے؟

سورہ نساء کی آیت ۲۵ میں شادی شدہ زانی لونڈی کی سزا آزاد شادی شدہ محصن کے مقابلہ میں آدھی بتلائی گئی ہے۔ اگر شادی شدہ محصن زانی اور زانیہ کی سزا سنگ ساری یعنی رجم مان لی جاتی ہے جس میں پتھر مار مار کر ہلاک کیا جانا ہے تو اس کی تصف سزا کا تعین کس طرح کیا جائے گا۔ رجم کی صورت میں ہلاکت لازمی ہے۔ تو اس کی نصف سزا کیا ہوسکتی ہے؟ اس کا منشاء ادھ مرا کرنا نہیں ہوسکتا۔ ایسی حالت میں رجم کی سزا کا کوئی جواز نہیں ہے۔ سورہ نساء آیت ۲۵ کے احکام کا مشاء اسی صورت میں پورا ہوسکتا ہے جب کہ سورہ نور کے احکام کے مطابق زانی اور زانیہ کی سزا سو کوڑے تسلیم کی جائے چونکہ کوڑوں کی تعداد مقرر ہے اس لئے ان کی نصف سزا دیا جانا ممکن ہے۔ مندرجہ بالا گزارشات سے یہ بات قطعی طور پر ثابت ہو جاتی ہے کہ اسلامی تعزیرات میں رجم کی سزا کا کوئی جواز نہیں ہے سورہ نور کی آیت ۳ میں ہے کہ زانی مرد نہیں نکاح کرنا مگر زانی عورت سے۔ اگر سنگ ساری کی سزا صحیح ہے تو اس سزا کے بعد وہ زندہ کیسے بچے گا وہ مر جائے گا، مگر بات نکاح کی ہے، نکاح زندہ بچنے پر ہی ہوگا، کوڑوں کی سزا میں بچنے کا امکان ہے، اس لئے قرآن میں زانی کی سزا سو کوڑے ہے، سنگ ساری نہیں ہے۔ حضورؐ نے زانی کو سزا صرف کوڑوں کی دی ہے۔ یہ کہنا کہ حضورؐ نے زانی شادی شدہ کو سنگ سار کیا بالکل غلط بات ہے جو حضورؐ کی شان کو مجروح

کرتی ہے۔ حضورؐ صرف اور صرف قرآن پر عمل کرتے تھے جو اللہ کا حکم ہے اور قیامت تک آنے والے ہر مومن کو۔ یہی حکم ہے یعنی قرآن پر عمل کرنا۔

آیت ۲۵/۴ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ لونڈی سے اگر مباشرت کرنا ہے تو اس سے بھی نکاح کیا جائے گا، بغیر نکاح کے مباشرت زنا کے درجے میں ہے، اگر بغیر نکاح کے اجازت ہوتی تو آیت میں نکاح کی شرط (قید) نہ ہوتی صرف اتنا فرمانا کافی تھا کہ مالک کی اجازت سے اس کی لونڈی کو رکھ لو اور مباشرت کرو لیکن اس کے برخلاف وہاں تو مہر وغیرہ کا بھی باقاعدہ حکم ہے۔ جو نکاح کے ساتھ ہی لازم ہے۔ ایک کتاب محمد اور قرآن ڈاکٹر رفیق زکریا صاحب نے لکھی ہے اس کے ص ۱۰۸۔ ۱۰۹ پر لکھا ہے کہ یہ الزام انتہائی لغو ہے کہ رسولؐ کے پاس کنیزیں بھی تھیں یہ بات قرآنی تعلیمات کے مخائر ہے، جو بغیر نکاح جنسی تعلقات کو انتہائی گھناؤنا گناہ قرار دیتی ہے۔ حتٰی کہ غلام عورتوں سے جنسی اختلاط کے لئے بھی نکاح ضروری قرار دیا گیا ہے، بعض نے ۲۳/۶ اور ۷۰/۲۹۔ ۳۰ کا سہارا لیا ہے مگر ان میں بھی بعض فقہا نے نکاح کی قید لگائی ہے جو آیت سے ظاہر ہے۔

ص اے مسلم حکمرانوں نے درباری عالم مقرر کئے ان علماء سو نے اپنے آقاؤں کے افعال بد کے دفاع کے لئے نئی نئی احادیث وضع کرلیں اور ان احادیث کو بہانہ بنا کر بدکردار حکمرانوں کو کھل کھیلنے کا موقع فراہم کر دیا جس سے مخالف فائدہ اٹھا رہے ہیں۔

اس سلسلہ میں آپ اکبر کی مثال لیں۔ ملا عبدالقادر بدایونی اپنی کتاب منتخب التواریخ میں لکھتے ہیں کہ اکبر نے اپنے حرم میں متعدد بیگمات داخل کرلی تھیں اور کنیزوں کی ایک فوج اس نے رکھ چھوڑی تھی۔ اس نے شیخ عبدالنبی گنگوہی کو قاصی القضاۃ بنایا اور ان سے اصرار کیا کہ وہ سورہ نساء کی آیت نمبر ۳ کے اس حکم ''تو جو عورتیں تم کو پسند کریں ان میں سے۔ دو دو، تین تین، چار چار سے نکاح کرلو'' کو بنیاد بنا کر یہ فتویٰ صادر کردیں کہ صاحب استطاعت افراد ایک وقت میں ۲+۲، ۳+۳، ۴+۴ یعنی کل ۱۸ بیویاں تک اپنے نکاح میں رکھ سکتے ہیں۔ لیکن شیخ عبدالنبی کو اس طرح کا فتویٰ صادر کرنے کی ہمت نہیں ہوئی۔ اکبر کہتا تھا کہ شیخ عبدالنبی نے دھوکہ دیا ہے اور بقول اس کے شیخ نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ قاضی

القضاۃ بننے کے بعد وہ اس طرح کا فتویٰ صادر کردیں گے۔ جب شیخ عبدالنبی نے اکبر کے کہنے کے مطابق فتویٰ دینے سے انکار کر دیا تو وہ شیخ کے درپئے آزار ہو گیا، انہیں قاضی القضاۃ کے عہدہ سے الگ کر دیا اور ان کو طرح طرح کی اذیتیں دیں یہاں تک کہ ان کی زندگی کا ہی خاتمہ کرا دیا۔ یہ قرآنی آیات کے ساتھ کھلواڑ نہیں تو اور کیا ہے۔ یہ ایک منفرد واقعہ نہیں بلکہ اس طرح کی مثالوں سے تاریخ بھری پڑی ہے جبکہ درباری علماء اور علماء سو نے قرآن کے احکام کو توڑ مروڑ کر اور اُن کی من مانی تعبیر کر کے قطعاً غلط فتاوے دئے ہیں۔

کنیزوں کا مسئلہ اور بھی زیادہ پیچیدہ ہے۔ مختلف روایات کی بناء پر ان سے بلا نکاح مباشرت کا جواز نکالا گیا ہے اور ان کی تعداد پر کوئی روک بھی نہیں ہے۔ اس صورت حال سے فائدہ اٹھا کر بدکردار حکمرانوں اور صاحبِ استطاعت لوگوں کو جنسی بے راہ روی کا موقع میسر آ گیا ہے جن کے سبب اخلاقی اقدار تباہ ہوئی ہیں اور معاشرہ کی جڑیں کھوکھلی ہوئی ہیں۔

اب مخالفین کے حملے بھی بڑھ گئے ہیں اور انہیں روایات کو اپنی تنقیدات کا نشانہ بنا رہے ہیں۔ اس تناظر میں امّتِ مسلمہ کے لئے ضروری ہو گیا ہے کہ اس قسم کی روایات کو دینی لٹریچر سے خارج کردیں ورنہ کم از کم اُن سے بیزاری ظاہر کرتے ہوئے ان کی تردید کریں۔ ہم سوچیں کہ کیا ہم رسولؐ کی ذاتِ گرامی کو تنقید کا نشانہ بنائے جانے کے لئے یوں ہی میدان کھلا چھوڑ دیں گے؟

کیا حضورؐ نے اپنا جانشین مقرر نہیں کیا اور دنیا سے رخصت ہو گئے؟

تاریخ کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ ہر پیش رو نے اپنے انتقال سے پہلے اپنا جانشین مقرر کیا ہے۔ دینوی بادشاہ اپنی زندگی میں ہی اپنا ولی عہد مقرر کرتے رہے ہیں یہ الگ بات ہے کہ کسی حاکم یا بادشاہ کا انتقال کسی اچانک حادثہ میں ہو جائے اور وہ بروقت اپنا جانشین مقرر نہ کر سکے۔ اس سلسلہ میں قرآن نے بھی یہی بتلایا ہے۔

سورہ اعراف آیت ۱۴۲۔ اور کہا موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون سے کہ تو میرا خلیفہ رہ قوم میں اصلاح کرتے رہنا اور مت چلنا مفسدوں کی راہ۔

اب حضورؐ کی زندگی کو دیکھا جائے جب آپ مدینہ سے کبھی باہر تشریف لے گئے تو کیا عمل رہا۔ حضورؐ جنگ بدر کے لئے جب مدینہ سے چلے تو اسامہ بن زیدؓ کو عامل بنا کر چھوڑ گئے۔ جنگ احد کے لئے جب مدینہ سے باہر گئے تو مدینہ میں ایک اصحابی ابن مکتوم کو چھوڑ گئے کہ نماز پڑھایا کریں اور آپ کی غیر موجودگی میں مدینہ کا انتظام کریں۔ غزوہ سویق میں جاتے وقت آپؐ عبداللہ بن رواحہ کو مدینہ کا عامل مقرر فرما گئے۔ دومتہ الجندل کی طرف جاتے وقت سباع بن عرفطہ غفاری کو مدینہ کا عامل مقرر فرمایا۔ غزوہ خندق میں آپؐ نے مدینہ میں ابن مکتوم کو عامل مقرر کیا۔

غزوہ خیبر کے موقع پر آپ نے مدینہ میں حضرت سباع بن عرفطہ کو عامل مقرر کیا۔ سن ۷ میں عمرہ کو جاتے وقت مدینہ میں حضرت ابوذر غفاری کو عامل مقرر کیا۔

مکہ کا پہلا امیر۔ بعد ازاں آپؐ نے جحرانہ سے مکہ جاتے ہوئے عمرہ کی نیت سے مکہ میں داخل ہو کر عمرے کے ارکان سے فارغ ہو کر عتابؓ بن اسید ایک نوجوان شخص کو جن کی عمر بیس برس سے کچھ زیادہ تھی مکہ کا عامل مقرر فرمایا، اور معاذ بن جبل کو بغرض تعلیم قرآن و احکام دین ان کے پاس چھوڑا اور معہ مہاجرین و انصار مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔ غسانی بادشاہ سے جنگ کو جاتے وقت محمد بن سلمہ کو مدینہ کا عامل مقرر کیا۔

قرآن کی واضح ہدایات موجود ہیں اور دنیا کی تاریخ بھی شاہد ہے کہ ہر بادشاہ اپنا ولی عہد مقرر کرتا تھا اور آج بھی یہ دستور ہے۔ حضورؐ نے بھی اپنی زندگی میں مدینہ سے باہر

جاتے وقت یہی طریقہ اختیار کیا پھر بھلا یہ کیسے تسلیم کر لیا جائے کہ آپ نے اپنی حیات میں ہی اپنے بعد دینی اور دینوی امور کی انجام دہی کے لئے اور جو ایک مضبوط اسلامی حکومت قائم ہو گئی تھی، اس کے انتظام کے لئے اپنا کوئی جانشین مقرر نہیں کیا، جو حکومت کا انتظام بھی چلاتا اور آپؐ کے لائے ہوئے دین کی ترقی کے لئے بھی کام کرتا۔

حضورؐ کی وفات کے وقت تک اسلامی حکومت ایک وسیع و عریض علاقہ پر قائم ہو گئی تھی۔ دین اسلام کو رہتی دنیا تک قائم و دائم رہنا ہے۔ حضورؐ کو جملہ امور میں ہدایت الٰہی حاصل تھی اور آپؐ کی فہم و فراست سب سے بلند تھی۔ ان حالات میں حضورؐ اپنے بعد کوئی خلاء نہیں چھوڑ سکتے تھے۔ ایسی حالت میں اس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ حضورؐ نے اپنا کوئی جانشین مقرر نہ کیا ہو۔ جانشین مقرر نہ کرنے کی صورت میں نو قائم شدہ حکومت کے انتشار کا شکار ہو جانے کا قوی اندیشہ تھا۔ لہذا آپؐ نے اللہ کے حکم کے مطابق جس میں کہا گیا ہے کہ آپ آپس کے امور میں مشورہ کریں۔ اس قاعدے، حکم الٰہی اور دستور زمانہ کے تحت شوریٰ میں حضرت ابو بکرؓ کو اپنا جانشین مقرر کیا، تب ہی تو آپؐ کے آخر وقت میں جب آپؐ علیل تھے حضرت ابو بکرؓ نے نماز کی امامت کی اور کسی کونے سے کوئی کھلا چھپا اعتراض نہیں آیا، سب نے بخوشی آپ کی امامت میں نماز ادا کی۔ طبری نے لکھا ہے کہ حضورؐ نے بہ اصرار ابو بکرؓ کو امامت کرنے کا حکم دیا اور ابو بکرؓ نے حضورؐ کی وفات تک سترہ نمازیں پڑھائیں۔ پس ثابت ہوا کہ حضورؐ نے اپنی زندگی میں ہی اپنا جانشین مقرر کر دیا تھا۔ کچھ روایتیں اس طرح کی ہیں کہ آپ کی وفات کے بعد امارت کے معاملہ میں بڑا انتشار ہو گیا تھا، اور کم از کم دو جگہ تو امارت کے بارے میں مشورے ہو رہے تھے، یہ سب روایات غلط ہیں۔ بات ٹھیک یہی ہے کہ آپ نے اپنی زندگی میں ابو بکرؓ کو اپنا جانشین مقرر کیا تھا۔ اور آپؐ کی وفات کے وقت کچھ دیر کے لئے حکمت کے تحت آپؐ کی موت کو پوشیدہ رکھا گیا جو فراست عمرؓ کے تحت تھا۔ جب حضرت ابو بکرؓ کے ہاتھ پر بیعت ہو گئی تو آپؐ کی وفات کا اعلان کر دیا گیا۔ آج بھی زمانہ کا دستور ہے کہ سربراہ مملکت کی موت کے وقت تقریباً ایسا ہی طریقہ اختیار کیا جاتا ہے۔ علامہ ابن خلدون نے بھی ایسا ہی لکھا ہے۔

دراصل یہ روایت کہ رسولؐ نے اپنی زندگی میں اپنا جانشین مقرر نہیں کیا، محض امت میں انتشار پیدا کرنے کے لئے اختراع کی گئی ہے۔ واضح رہے کہ اس روایت کا واقعہ قرطاس کی موضوع روایت سے بہت ہی گہرا تعلق ہے بلکہ یہ کہنا بجا ہوگا کہ دونوں روایتیں ایک ہی سلسلہ کی کڑیاں ہیں اور ان کے پیچھے فتنہ خیز اور شرارت پسند ذہنوں کی سازش کارفرما ہے۔ اور یہ سازش امت مسلمہ میں انتشار پھیلانے میں کافی حد تک کامیاب بھی ہوئی ہے۔ نتیجۃً ایک گروہ ایسا اٹھ کھڑا ہوا جس نے ابوبکرؓ کی خلافت کے جواز پر ہی سوالیہ نشان لگا دیا۔ آگے چل کر اسی فتنہ نے مہیب شکل اختیار کرلی اور یہ سوال بڑی شد و مد سے اٹھایا گیا کہ اصل حقدار خلافت کون ہے۔ اس سلسلے میں خفیہ تحریکیں چلیں جو کئی خلافتوں کے زوال کا سبب بنیں اور لاکھوں مسلمانوں کو موت کے گھاٹ اُتارا گیا۔ آج بھی یہ فتنہ اُمّت میں انتشار اور فرقہ بندیوں کو پھیلانے میں اپنا کردار ادا کر رہا ہے۔ بہر حال ہم نے یہاں اختصار کے ساتھ حقیقت الامری کو اُمتِ مسلمہ کے سامنے پیش کرنے کی کوشش کی ہے تاکہ انتشار کے دروازے بند کئے جاسکیں۔

کیا حضورؐ نے منافق کی نماز جنازہ پڑھائی؟

تاریخ کی کتابوں سے پتہ چلتا ہے کہ عبداللہ بن ابی ایک غالی منافق تھا، جس نے اپنی فتنہ انگیز اور شرارت آمیز چالوں اور سازشوں سے اسلام کو نقصان پہونچانے کی کوشش کی اور وہ جب تک زندہ رہا رسول کو ایذا پہونچاتا رہا۔ اس کے بیٹے عبداللہ بن عبداللہ ابن ابی ایک پکے اور سچے مسلمان تھے۔ کتب وتواریخ واحادیث میں مروی روایات میں درج ہے کہ جب عبداللہ بن ابی کا انتقال ہوا تو اس کے بیٹے عبداللہ کی درخواست پر رسولؐ نے اپنا کرتہ کفن کے لئے عطا فرمایا اور اس کی نماز جنازہ پڑھائی اور اس کے لئے دُعائے مغفرت کی، جب کہ عمرؓ رسول کا دامن تھام کر انہیں ایسا کرنے سے روکتے رہے۔ اب ہمیں قرآن کے احکام اور عقلی دلائل کی روشنی میں ان روایات کی صداقت کا جائزہ لینا ہے۔ پہلے قرآن کے احکام پر نظر ڈالیں۔

سورۂ توبہ ۹۔ آیت ۸۰: تُو ان کے لئے بخشش مانگ یا نہ مانگ اگر ان کے لئے ستر بار بخشش مانگے تو بھی ہرگز نہ بخشے گا ان کو اللہ۔ یہ اس واسطے کہ وہ منکر ہوئے اللہ سے اور اس کے رسول سے اور اللہ رستہ نہیں دیتا نافرمان لوگوں کو۔

آیت ۸۱: خوش ہو گئے پیچھے رہنے والے اپنے بیٹھ رہنے سے جدا ہو کر رسولؐ اور اللہ سے اور گھبرائے اس سے کہ لڑیں اپنے مال سے اور جان سے اللہ کی راہ میں، اور بولے کہ مت کوچ کرو گرمی میں، تو کہہ دوزخ کی آگ سخت گرم ہے اگر ان کو سمجھ ہوتی۔

آیت ۸۲: وہ ہنس لیویں تھوڑا اور رو دیں بہت سا، بدلہ اس کا جو وہ کماتے تھے۔

آیت ۸۳: سو اگر پھر لے جائے تجھ کو اللہ کسی فرقہ کی طرف ان میں سے، پھر اجازت چاہیں تجھ سے نکلنے کی، تو تو کہہ دینا کہ تم ہرگز نہ نکلو گے میرے ساتھ کبھی اور نہ لڑو گے میرے ساتھ ہو کر کسی دشمن سے تم کو پسند آیا بیٹھ رہنا پہلی بار، سو بیٹھے رہو بیٹھنے والوں کے ساتھ۔

آیت ۸۴: اور نماز نہ پڑھ ان میں سے کسی پر جو مر جائے اور کبھی نہ کھڑا ہو اس کی قبر پر، وہ منکر ہوئے اللہ سے اور اس کے رسول سے اور وہ مر گئے نافرمان۔

سورہ توبہ کی ان آیات کے بارے میں جو احادیث مروی ہیں ان میں سے ایک لکھ رہا ہوں۔ جو بخاری جلد دوم ص ۸۰۲ پر باب ۸۹ قوله و لا تصل علیٰ احدٍ منهم مات ابداً و لا تقم علیٰ قبرہٖ۔ اور ان میں کسی کی میت پر نماز نہ پڑھنا اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہونا۔

نمبر ۱۷۸۳: حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ جب عبداللہ بن اُبی رئیس المنافقین کی وفات ہوئی تو عبداللہ بن عبداللہ بن اُبی یعنی اس کا بیٹا رسولؐ کی بارگاہ میں حاضر ہو گیا۔ چنانچہ آپؐ نے اپنا مبارک کرتہ اسے عطا فرمادیا اور حکم دیا کہ اُسے اِس کا کفن دیا جائے۔ پھر جب آپؐ اس کی نماز جنازہ پڑھانے کے لئے کھڑے ہوئے تو حضرت عمرؓ بن خطاب نے آپ کا دامن تھام لیا اور عرض گزار ہوئے کہ آپؐ اس کی نماز جنازہ پڑھیں گے جو منافق ہے اور اس کے لئے دعائے مغفرت کرنے سے تو اللہ نے آپ کو منع فرمایا ہے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ نے مجھے اختیار دیا ہے یا مجھے خبر دی ہے یعنی فرمایا ہے کہ ان کی معافی چاہو یا نہ چاہو اگر تم

ستر بار ان کی معافی چاہو گے تو اللہ ہرگز انہیں نہیں بخشے گا (آیت ۸۰) پھر آپ نے فرمایا کہ میں اس کے لئے ستر سے زیادہ دفعہ معافی طلب کروں گا۔ راوی کا بیان ہے کہ پھر رسول اللہ نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی اور ہم نے بھی آپؐ کے ساتھ پڑھی۔ پھر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی اور ان میں سے کسی کی میت پر کبھی نماز نہ پڑھنا اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہونا۔ بے شک انہوں نے اللہ اور رسول کے ساتھ کفر کیا، اور وہ نافرمانی کی حالت میں ہی مرے (۸۴) حدیث ۱۷۸۱ اور ۱۷۸۲ بھی تقریباً اسی مضمون سے عبارت ہیں۔

شیخ الہند صاحب کے ترجمہ پر ان آیتوں کی تفسیر میں یہی لکھا ہے ان روایات سے یہ امر قطعی طور پر ثابت ہے کہ اس وقت تک سورہ توبہ کی کم از کم آیت نمبر ۸۰ نازل ہو چکی تھی اور اس آیت کے الفاظ اور ان کا مجموعی مفہوم سے یہ حکم بھی نکل کر سامنے آتا ہے جس کے تحت رسول کو منافقین کے لئے دعائے مغفرت کرنے سے روک دیا گیا ہے۔ چونکہ نماز جنازہ دعائے مغفرت کا حصہ ہے اس لئے رسولؐ کو منافقین کی نماز جنازہ پڑھانے سے بھی روک دیا گیا۔ اس روایت میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ جب رسولؐ عبداللہ بن اُبی کی نماز جنازہ پڑھانے کھڑے ہوئے تو عمرؓ نے آپ کا دامن تھام لیا اور عرض کیا کہ آپؐ اس کی نماز جنازہ پڑھیں گے، جو منافق ہے اور اس کے لئے دعائے مغفرت کرنے سے تو اللہ نے آپ کو منع فرمایا ہے۔ لیکن، جیسا کہ روایت میں کہا گیا ہے، رسولؐ نے عمرؓ کی گذارش کو قبول نہیں فرمایا اور آیت نمبر ۸۰ کے احکام کو احکام نہ مانتے ہوئے محض ایک خبر مانا اور فرمایا کہ میں اس کے لئے ستر بار سے زیادہ معافی طلب کروں گا۔ راوی آگے بیان کرتا ہے کہ پھر رسولؐ نے عبداللہ ابن اُبی کی نماز جنازہ پڑھائی اور ہم نے بھی آپ کے ساتھ پڑھی۔ راوی کہتا ہے کہ پھر اللہ نے آیت نمبر ۸۴ نازل فرمائی جس کے ذریعہ رسولؐ کو منافقین کی نماز جنازہ پڑھنے سے اور ان کی قبر پر کھڑے ہونے سے منع کر دیا گیا۔

اس مسئلے پر مولانا مودودی تفہیم القرآن میں رقم طراز ہیں کہ تبوک سے واپسی پر کچھ زیادہ مدّت نہ گزری تھی کہ عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین مر گیا، اس کے بیٹے عبداللہ بن عبداللہ جو مخلص مسلمانوں میں سے تھے، نبیؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کفن میں لگانے

کے لئے آپ کا کرتہ مانگا۔ آپ نے کمال فراخ دلی سے عطا کر دیا۔ پھر انہوں نے درخواست کی کہ آپؐ ہی اس کی نماز جنازہ پڑھائیں۔ آپؐ اس کے لئے تیار ہو گئے۔ حضرت عمرؓ نے باصرار عرض کیا کہ یا رسول اللہ، آپ اس شخص پر نماز جنازہ پڑھیں گے جو یہ اور یہ کر چکا ہے۔ مگر حضورؐ ان کی یہ سب باتیں سن کر مسکراتے رہے اور اپنی رحمت کی بناء پر جو دوست، دشمن سب کے لئے عام تھی، آپ نے اس بدترین دشمن کے حق میں دعائے مغفرت کرنے میں تامل نہ کیا، آخر جب آپؐ نماز پڑھانے کھڑے ہی ہو گئے تو یہ آیت نازل ہوئی اور براہ راست حکم خداوندی سے آپؐ کو روک دیا گیا۔

اوپر کی دونوں روایتوں میں کتنا تضاد ہے۔ اوّل روایت میں جس کے راوی ابن عمر ہیں کہا گیا ہے کہ رسولؐ نے عبداللہ ابن ابی کی نماز جنازہ پڑھی اور پھر ممانعت کی آیت نازل ہوئی۔ جب کہ مولانا مودودی لکھتے ہیں کہ جیسے ہی رسولؐ نماز پڑھانے کھڑے ہوئے آیت نمبر ۸۴ نازل ہوئی اور آپؐ کو نماز پڑھانے سے روک دیا گیا یعنی آپ نے نماز جنازہ نہیں پڑھائی۔

بہر حال مندرجہ بالا روایتوں سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ عمرؓ منافق کی نماز جنازہ پڑھانے کے خلاف تھے اور کہتے تھے کہ منافق کے لئے دعائے مغفرت کرنے سے اللہ نے رسول کو منع کیا ہے جب کہ رسول نے اس کے برعکس اس منافق کے لئے دُعائے مغفرت کی اور نماز جنازہ پڑھانے کے لئے کھڑے ہو گئے۔ اگر ان روایتوں کو درست مان لیا جائے تو ایک سنگین صورت حال سے دوچار ہونا پڑے گا۔ اور ماننا پڑے گا کہ عمرؓ کی منشائے الٰہی کو سمجھنے کی صلاحیت اور فہم و فراست بہت بلند تھی جب کہ رسولؐ سے (نعوذ باللہ) اس سلسلہ میں کوئی کوتاہی ہوئی۔ ایسے ہی کئی دیگر مقامات پر قرآنی آیات کی شانِ نزول بیان کرتے وقت عمرؓ کی رائے کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس سے عمرؓ کی فہم و فراست، دور اندیشی اور معاملہ فہمی سے متعلق تعریف و توصیف کے گوشے تو ضرور اجاگر ہوئے ہیں لیکن شانِ رسولؐ کے منافی پہلو بھی نکلتا ہے۔

دوسرے یہ کہ ابن عمر کی روایت میں ہے کہ عمرؓ کہہ رہے ہیں کہ یا رسول اللہؐ آپ کو

اللہ نے منافق کے لئے دعائے مغفرت کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس وقت تک سورہ توبہ کی آیت نمبر ۸۰ نازل ہو چکی تھی۔ پھر آپ سوچیں کہ اللہ کے رسولؐ قرآن کے احکام یا ہدایت کے خلاف کوئی کام کر سکتے ہیں؟ (نعوذ باللہ)۔ اسی آیت نمبر ۸۰ میں منافقین کو منکرین اللہ و رسولؐ اور نافرمان کہا گیا ہے۔ تو ایسی صورت میں رسولؐ ایسے لوگوں کے حق میں دعائے مغفرت کرنے کی سوچ بھی سکتے ہیں؟

تیسرے یہ کہ اللہ عالم الغیب ہے، اس کو پہلے سے ہی علم تھا کہ نبی کو آئندہ کس طرح کے واقعات و حالات پیش آنے ہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ کو وحی کے ذریعہ واضح احکام و ہدایات جاری فرمادئے تھے جو قرآن کا حصہ ہیں، تاکہ نبیؐ کو بروقت کسی پریشانی و معذوری کا سامنا نہ ہو۔ آیات کے سیاق و سباق سے معلوم ہوتا ہے کہ سورہ توبہ کی آیات نمبر ۸۰ لغایت نمبر ۸۴ ایک ساتھ نازل ہوئی ہیں۔ اگر ایسا نہ بھی ہو تو بھی آیت نمبر ۸۰ کے احکام ہی منافق کے حق میں دعائے مغفرت کرنے کی ممانعت کے لئے کافی ہیں۔ اس کے علاوہ ہمیں غور کرنا چاہئے کہ یہ کتب تواریخ و احادیث سے ایسی کسی بات کی نشان دہی نہیں ہوتی جس کی بناء پر رسولؐ کو عبداللہ بن ابی جیسے غالی منافق کے حق میں دعائے مغفرت کرنے کے لئے رغبت یا تحریک ہوتی۔ پس معلوم ہوا کہ رسولؐ نے منافق کی نماز جنازہ نہیں پڑھائی اور نہ اس کے حق میں دعائے مغفرت کی اور اس سلسلہ کی جملہ روایتیں غلط اور موضوع ہیں۔ اور ہمیں ان کو سختی سے رد کرنا چاہئے۔

کیا محمدؐ پر جادو ہوا؟

متعدد احادیث میں لکھا ہے کہ حضورؐ پر جادو ہوا۔ اور ان روایات کے راوی ثقہ بتلائے جاتے ہیں اور کتابیں صحیح گردانی جاتی ہیں۔ معاملہ نہایت اہم ہے، لہذا یہ لازم ہوا کہ ہم قرآنی احکام نیز دلائل و براہین کی روشنی میں جائزہ لیں کہ نبی کے خلاف لگائے گئے اس الزام میں کوئی صداقت ہے یا یہ محض ایک بہتان ہے؟

بخاری جلد دوم کتاب الجہاد ص ۱۳۹ حدیث ۴۰۹

نمبر ۴۰۹: حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ نبیؐ پر ایک مرتبہ جادو کیا گیا یہاں تک کہ آپ کو (اس جادو کے اثر سے) یہ خیال ہوتا تھا کہ آپ نے ایک کام کیا ہے حالانکہ آپ نے نہ کیا ہوتا تھا۔

قرآن اس بارے میں کیا کہتا ہے، دیکھیں

سورہ الاعراف ۷ آیت ۱۸۴۔ کیا انہوں نے دھیان نہیں کیا کہ ان کے رفیق کو کچھ بھی جنون نہیں وہ تو ڈرانے والا ہے صاف۔

الحجر ۱۵ آیت ۶۔ اور لوگ کہتے ہیں اے وہ شخص کہ تجھ پر اترا ہے قرآن تو بے شک دیوانہ ہے۔

بنی اسرائیل ۱۷ آیت ۴۷۔ ہم خوب جانتے ہیں جس واسطے وہ سنتے ہیں، جس وقت کان رکھتے ہیں تیری طرف اور جب وہ مشورت کرتے ہیں جب کہ کہتے ہیں یہ بے انصاف جس کے کہے پر تم چلتے ہو وہ نہیں ہے مگر ایک جادو کا مارا مرد۔

المومنین ۲۳ آیت ۲۵۔ اور کچھ نہیں ہے ایک مرد ہے کہ اس کو سودا ہے، سو راہ دیکھو اس کی ایک وقت تک۔

المومنین آیت ۷۰۔ یا کہتے ہیں اس کو سودا ہے، کوئی نہیں وہ تو لایا ہے ان کے پاس سچی بات اور ان بہتوں کو سچی بات بری لگتی ہے۔

الفرقان آیت ۸۔ یا آپڑتا اس کے پاس خزانہ یا ہو جاتا اس کے لئے ایک باغ کہ کھایا کرتا اس میں سے، اور کہنے لگے بے انصاف تم پیروی کرتے ہو اس ایک مرد جادو مارے کی۔

الشعراء۲۶ آیت ۱۸۵۔ بولے تجھ پر تو کسی نے جادو کر دیا ہے۔

۲۶۔۲۷۔ بولا تمہارا پیغام لانے والا جو تمہاری طرف بھیجا گیا ہے ضرور باؤلا ہے۔

الذّٰریٰت ۵۱ آیت ۵۲:۔ اسی طرح ان پہلے لوگوں کے پاس جو رسول آیا اس کو یہی کہا گیا کہ جادوگر ہے یا دیوانہ۔

۵۳:۔ کیا یہی وصیّت کر مرے ہیں ایک دوسرے کو، کوئی نہیں پر یہ لوگ شریر ہیں۔

القلم ۶۸۔۲ تو نہیں اپنے رب کے فضل سے دیوانہ۔ ۶/۶۸ کہ کون ہے تم میں جو بچل رہا ہے

التکویر ۸۱۔ آیت ۲۲:۔ اور یہ تمہارا رفیق کچھ دیوانہ نہیں ہے۔

مخالف لوگ نبی کو دیوانہ یعنی جادو کا مارا ہوا بتلاتے تھے جو آیات بالا میں اُن کا قول نقل کیا ہے، لیکن ان کے یہ اقوال محض جملہ ہائے معترضہ واستفہام کے طور پر تھے جن میں استہزاء کا پہلو شامل تھا۔ وہ بخوبی جانتے تھے کہ نبیؐ پر جادو کا کوئی اثر نہیں ہے مگر، نبی کی صداقت کو عوام الناس کی نظر میں مشتبہ بنانے کے مقصد سے اس طرح کی بہتان تراشی کرتے تھے۔ بہرحال ان آیات میں اللہ نے ان کے اس قول کی تردید کرتے ہوئے اعلان کیا کہ یہ نبیؐ جس کو تم دیوانہ کہتے ہو دیوانہ نہیں ہے، اس پر جادو کا اثر نہیں ہے۔ اس واضح اعلان کے بعد اس بات کی گنجائش کہاں نکلتی ہے کہ ہمارے محدثین یہ روایت کریں کہ نبی پر جادو کا اثر ہوا تھا خواہ راوی اور محدثین کتنے ہی ثقہ بتلائے جائیں اور یقیناً بات اللہ ہی کی سچی ہے اور وہ یہ کہ نبیؐ پر جادو نہیں ہوا۔

اللہ کی اس تردید کے باوجود افسوس صد افسوس بخاری کی روایت جو اوپر لکھی ہے، میں کہا گیا ہے کہ نبی پر جادو ہو گیا تھا اور اتنا اثر ہوا کہ آپ کوئی کام کرتے تھے مگر ان کو لگتا تھا کہ نہیں کیا یا کوئی کام نہیں کیا ہوتا مگر لگتا تھا کہ (نعوذ) کیا ان باتوں کو پڑھ کر مخالفین اسلام اور مخالفین رسولؐ بھلا الزام تراشی سے رک جائیں گے، وہ ضرور الزام لگائیں گے اور لگا رہے ہیں اور ہماری کتابوں سے ہی اپنے الزام کی تائید کر رہے ہیں۔

اگر ان روایات کو درست مان لیا جائے کہ نبیؐ پر جادو کا اثر ہو سکتا تھا اور ان روایات کے مطابق ہو گیا تھا، تو پھر نبوت، قرآن، اسلام اور شریعت کی صداقت ہی شبہات

وشکوک کے گھیرے میں آجائے گی۔ اس صورت میں نہیں کہا جا سکتا کہ دشمنوں اور مخالفین نے جادو کے زور سے نبی سے کیا کیا کہلوا لیا ہو اور کیا کیا کروا لیا ہو۔ جب روایات کے مطابق نبی کی یادداشت متاثر ہو گئی تھی تو ہو سکتا ہے کہ اللہ نے جو وحی نازل فرمائی تھی اسے نبی بھول گئے ہوں اور وہ قرآن میں شامل ہونے سے چھوٹ گئی ہو، اور کچھ ایسی باتیں جو اللہ کی طرف سے نازل نہیں ہوئی تھیں، انہیں آپ نے وحی سمجھ کر قرآن میں شامل کر دیا ہو۔ اور نہیں کہا جا سکتا کہ قرآن میں کتنی آیات اللہ کی طرف سے ہوں اور کتنی جادو کے اثر سے مخالفین نے شامل کرا دی ہوں۔ یہی نہیں بلکہ یہاں تک کہا جا سکتا ہے کہ جادو کے زیر اثر ہی محمدؐ کو نبوت کا دعویٰ کرنے پر اکسایا گیا ہو (معاذ اللہ)

دیکھا آپ نے کہ نبی پر جادو کے اثرات مرتب ہونے کی روایات کو درست مان لینے میں کتنے مضمرات، مفسدات اور خرابیوں سے دوچار ہونا پڑے گا۔ زمین ہمارے پیروں تلے سے کھسک جائے گی اور ہم کو کھڑے ہونے کے لئے ایک تل بھر جگہ بھی میسر نہ ہو گی۔

ایک قابل غور پہلو یہ ہے کہ صحابہ کبار بالخصوص حضرات ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ اور علیؓ، جو ہر وقت رسولؐ کے ساتھ رہتے تھے، کے ذریعہ اس طرح کی روایات کیوں منقول نہیں ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ اس طرح کا کوئی واقعہ ہی پیش نہیں آیا۔

ہم کو افسوس ہے کہ یہ روایات کھلم کھلا قرآن سے متصادم ہیں، لیکن پھر بھی ان کو کتب احادیث میں جگہ ملی ہوئی ہے۔ مزید افسوس اس بات کا ہے کہ احادیث کی کتابوں میں ایسی بہت سی روایات موجود ہیں جن میں کہا گیا ہے کہ رسولؐ نے جھاڑ پھونک اور عملیات کے ذریعہ علاج کرنے کی اجازت دی ہے۔ ان روایات کے سبب بھولے بھالے بلکہ بہت سے پڑھے لکھے مسلم عوام کے ذہن میں یہ بات گھر کر گئی ہے کہ جادو ٹونے کے اثرات مرتب ہوتے ہیں اور جھاڑ پھونک اور عملیات کے ذریعہ بہت سے امراض کا علاج ہو سکتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ مسلمانوں کا ایک بڑا طبقہ جادو ٹونے میں یقین رکھتا ہے اور بہت سے عاملین تعویز، گنڈے، جھاڑ پھونک کی دُکانیں لے کر بیٹھ گئے ہیں اور وہ عام مسلمانوں کو نہ صرف لوٹ رہے ہیں بلکہ ان کے عقائد کو بھی خراب کر رہے ہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ جب نبی پر جادو ہو سکتا ہے تو ہم پر کیوں نہیں ہو سکتا۔

اب ہمارے لئے لازم ہے کہ ہم ببانگ دہل اعلان کریں کہ نبی پر جادو نہیں ہوسکتا تھا اور نہ ہوا اور نبیؐ کی ذات اس طرح کی باتوں سے پاک ہے، اور ان روایات کی سختی سے تردید کریں جو اس کے برخلاف کتب احادیث میں جگہ پا گئی ہیں۔

بخاری کی ایک روایت کا مفہوم۔ حضورؐ نے فرمایا کہ جو میری امّت میں جھاڑ پھونک نہ کرے گا وہ بغیر حساب جنّت میں داخل ہوجائے گا اس کی تعداد بھی بتلائی گئی ہے۔ پھر جھاڑ پھونک کی گنجائش کہاں؟

واقعہ مباہلہ کی صحیح نوعیت؟

سن ۹ ھ میں نجران کے عیسائیوں کا ایک وفد مدینہ آیا، وہ دراصل نو قائم شدہ اسلامی حکومت کی دن دونی رات چوگنی رفتار، وسعت اور ترقی کے تناظر میں اپنی آئندہ حیثیت کے بارے میں رسولؐ سے گفتگو کرنے آئے تھے۔ اس دوران انہوں نے رسولؐ سے حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش اور عیسائیوں کے مسیح سے متعلق عقیدہ الوہیت کے بارے میں جھگڑا کیا اور ہٹ دھرمی پر اڑے رہے اور قرآن نے حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش، نبوت اور وفات کے بارے میں جو وضاحت اور صراحت کی ہے اس سے انکار کرتے رہے۔ اس پر اللہ نے سورہ آل عمران کی آیت نمبر ۶۱ نازل فرمائی جس میں عیسائیوں کو چیلنج کیا گیا کہ اے نبیؐ ان عیسائی زعماء سے کہہ دو کہ اگر تم عیسیٰؑ کے بارے میں اپنی ہٹ دھرمی سے باز نہیں آتے تو ہم اور تم خود آجائیں اور اپنے بال بچوں کو لے آئیں پھر اللہ سے دعا کریں کہ جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ہو۔ اس طریقہ کار کو مباہلہ کہا گیا ہے۔ سوال زیر غور یہ ہے کہ کیا عیسائیوں نے چیلنج قبول کیا اور کیا وہ مباہلہ کے لئے مقابل آئے؟ کچھ اسلامی روایات میں کہا گیا ہے کہ رسولؐ اپنی طرف سے خود اور اپنے ساتھ فاطمہؓ، علیؓ، حسنؓ، حسینؓ کو لے کر مباہلہ کے لئے آئے۔ ان روایات کی حقیقت کیا ہے، اس کی تحقیق ضروری ہے، پہلے ہم یہ دیکھیں کہ قرآن عیسیٰؑ کے بارے میں کیا کہتا ہے۔

سورہ آل عمران ۳ آیت ۵۸:۔ (اے رسول!) مذکورہ بالا بیان جو ہم نے آپ پر تلاوت فرمایا ہے یہ ہماری واضح نشانیوں اور حکمت سے بھرپور نصیحت نامہ ہے۔

نمبر ۵۹:۔ اللہ کے نزدیک عیسیٰؑ کی مثال آدم کی سی ہے کہ اللہ نے اسے مٹی سے پیدا کیا اور حکم دے دیا کہ ہو جا اور وہ ہوگیا۔

نمبر ۶۰ (۱) ترجمہ از روشن چراغ (یہ بات) تمہارے پروردگار کی طرف سے حق ہے، سو تم ہرگز شک کرنے والوں میں نہ ہونا۔

(۲) ترجمہ شیخ الہند حق وہ ہے جو تیرا رب کہے، پھر تو مت رہ شک کرنے والوں میں۔

(۳) (مولانا مودودی) یہ اصل حقیقت ہے جو تمہارے رب کی طرف سے بتائی جا رہی ہے

اور تم ان لوگوں میں شامل نہ ہو جو اس میں شک کرتے ہیں۔

(۴) (عبداللہ یوسف علی کے انگریزی ترجمہ کا اردو ترجمہ حق صرف اللہ کی طرف سے آتا ہے، سو تم ان میں شریک نہ ہو جو شک کرتے ہیں۔

آیت نمبر ۵۸ میں اُس بیان کی تصدیق کی گئی ہے جو اس سے پہلے کی آیات میں عیسیٰ کی پیدائش، نبوت، معجزات اور وفات کے بارے میں مذکور ہے۔ آیت نمبر ۵۹ میں یہ بیان کیا گیا ہے اللہ کے نزدیک عیسیٰ کی مثال آدم کی سی ہے کہ اللہ نے اسے مٹی سے پیدا کیا اور حکم دے دیا کہ ہو جا اور وہ ہو گیا۔ یہاں ایک نکتہ قابل غور یہ ہے کہ کیا عیسیٰؑ کی مثال آدم کی سی محض پیدائش کے معاملہ تک محدود ہے، وفات کے معاملہ میں وہ مثال صادق نہیں آتی؟ دراصل یہ مثال جزوی نہیں بلکہ کلی ہے یعنی پیدائش اور وفات دونوں میں آدم کی مثال عیسیٰؑ پر صادق آئے گی۔ لامحالہ ہم کو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ عیسیٰؑ کی وفات بھی اسی ضابطہ اور کلیہ کے مطابق فطری طور پر ہوئی جس کے مطابق آدم کی وفات ہوئی اور جو سب جانداروں کے لئے مقرر ہے۔

نجران سے آیا ہوا عیسائی زعماء کا وفد عیسائیوں کے عام عقائد کے مطابق تثلیث کا قائل تھا۔ وہ عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹا کہتے تھے اور ان کی اُلوہیت کے قائل تھے۔ قرآن نے ان عقائد کی تردید کی ہے اور آدم سے ان کی مثال دے کر انہیں ایک بشر بتلایا گیا ہے جن کو اللہ نے نبوت سے سرفراز کیا اور محسوس معجزات عطا کئے۔

عیسیٰؑ کی وفات کا مسئلہ بھی چیستاں بنا ہوا ہے۔ عیسائیوں کے عقیدے کے مطابق پہلے انہیں صلیب دی گئی، پھر ان کی لاش غائب ہو گئی، تین دن بعد وہ زندہ اپنے حواریوں کے پاس آئے اور پھر اللہ نے انہیں اپنی طرف اٹھا لیا۔ مسلمانوں کا ایک بڑا طبقہ اس کا قائل ہے کہ اللہ نے عیسیٰؑ کو زندہ اپنی طرف اٹھا لیا ہے اور جب مسلمان انتہائی خستہ حالات میں ہوں گے تو عیسیٰؑ زمین پر آئیں گے اور مسلمانوں کی بگڑی بنائیں گے۔ ہمیں سوچنا چاہئے کہ آج کے دور میں مسلمانانِ عالم کس قدر پستی میں مبتلا ہیں اور کس قدر مصائب اور ظلم و ستم کا شکار ہیں۔ زمین اور آسمان ان پر تنگ ہو کر رہ گئے ہیں۔ کیا ابھی وقت

نہیں آیا کہ عیسیٰؑ زمین پر آئیں اور مسلمانوں کو ان حالات سے نکالیں۔ حقیقت اس کے خلاف ہے، عیسیٰؑ کی موت ہو چکی ہے اور اب کسی مسیح موعود کو نہیں آنا ہے۔ اس طرح کی سوچ محض زوال پذیر بلکہ زوال رسیدہ قوم اور شکست خوردہ ذہن کی علامت ہے جو قوتِ عمل سے محروم ہے۔ اسلام مکمل دین ہے، قرآن آخری کتاب ہے، محمدؐ نبی آخر الزماں ہیں۔ اب کسی نبی کو نہیں آنا ہے۔ اسلام، قرآن اور اسوۂ رسولؐ ہمارے لئے کافی ہیں۔ جب قرون اولیٰ اور قرون وسطیٰ میں جب مسلمان اسلام، قرآن اور اسوۂ رسولؐ کے صحیح معنوں میں علم بردار تھے تو وہ پورے عالم کی قیادت، امامت اور حکومت کے فرائض انجام دے رہے تھے اور پوری دنیا ان کے سامنے سرنگوں تھی۔ آج بھی وہ چیزیں ہمارے پاس موجود ہیں، محض قوتِ عمل اور صحیح فکر کی کمی ہے۔ اگر ہم انہیں اپنا لیں تو ہم ضرور سرفراز ہوں گے۔ انشاءاللہ۔

اب مباہلہ کے بارے میں قرآن کے فرمودات دیکھیں۔

آل عمران ۳ آیت نمبر ۶۱:۔ پھر اگر یہ لوگ عیسیٰؑ کے بارے میں تم سے جھگڑا کریں، اور تم کو حقیقت حال تو معلوم ہو ہی چکی ہے، تو ان سے کہہ دو کہ آؤ ہم اپنے بیٹوں اور عورتوں کو بلائیں تم اپنے بیٹوں اور عورتوں کو بلاؤ اور ہم خود بھی آئیں اور تم خود بھی آؤ، پھر دونوں فریق (اللہ سے) دعا و التجا کریں اور جھوٹوں پر خدا کی لعنت بھیجیں (روشن چراغ)

مولانا مودودی نے اس آیت کا ترجمہ حسب ذیل کیا ہے:۔ یہ علم آجانے کے بعد اب جو کوئی اس معاملہ میں تم سے جھگڑا کرے تو اے محمدؐ! اس سے کہو کہ ''آؤ ہم اور تم خود بھی آجائیں اور اپنے اپنے بال بچوں کو بھی لے آئیں اور خدا سے دُعاء کریں کہ جو جھوٹا ہو اس پر خدا کی لعنت ہو''۔

آل عمران آیت ۶۲:۔ بے شک یہی ہے بیان سچا اور کسی کی بندگی نہیں ہے سوا اللہ کے اور اللہ جو چاہے وہی ہے زبردست حکمت والا۔

۶۳:۔ پھر اگر یہ روگردانی کریں تو اللہ کو معلوم ہے یہ فساد کرنے والے ہیں (یعنی یہ روگردانی کریں گے نہیں آئیں گے)

مندرجہ بالا آیت نمبر ۶۱ کے فرمودات کے بارے میں ترجمہ شیخ الہند میں جو تفسیر

جناب شبیر احمد عثمانی نے تحریر کی ہے اس کا اقتباس حسب ذیل ہے۔

حاشیہ نمبر۳ اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا۔ نصاریٰ، نجران اس قدر سمجھانے پر بھی اگر قائل نہ ہوں تو ان کے ساتھ مباہلہ کرو جس کی زیادہ موثر اور مکمل صورت یہ ہے کہ دونوں فریق اپنی جان سے اور اپنی اولاد سے اور اپنی عورتوں کے ساتھ حاضر ہوں اور خوب گڑگڑا کر دُعا کریں کہ جو کوئی ہم میں جھوٹا ہو اس پر خدا کی لعنت اور عذاب پڑے۔ یہ مباہلہ کی صورت پہلے ہی قدم پر اس بات کا اظہار کردے گی کہ کون فریق کس حد تک خود اپنے دل میں صداقت، حقانیت پر وثوق و یقین رکھتا ہے۔ چنانچہ دعوت مباہلہ سن کر وفد نجران نے مہلت لی کہ ہم آپس میں مشورہ کر کے جواب دیں گے۔ آخر مجلس مشاورت میں ان کے ہوشمند تجربہ کار ذمہ داروں نے کہا کہ اے گروہ نصاریٰ! تم یقیناً دلوں میں سمجھ چکے ہو کہ محمدؐ نبی مرسل ہیں اور حضرت مسیح کے متعلق انہوں نے صاف صاف فیصلہ کن باتیں کہی ہیں، تم کو معلوم ہے کہ اللہ نے بنی اسمٰعیل میں نبی بھیجنے کا وعدہ کیا تھا۔ کچھ بعید نہیں یہ وہی نبی ہوں۔ پس ایک نبی سے مباہلہ و ملاعنہ کرنے کا نتیجہ کسی قوم کے حق میں یہ ہی نکل سکتا ہے کہ اس کا کوئی چھوٹا بڑا ہلاکت یا عذاب الٰہی سے نہ بچے۔ اور پیغمبر کی لعنت کا اثر نسلوں تک پہنچ کر رہے۔ بہتر یہی ہے کہ ہم ان سے صلح کر کے اپنی بستیوں کی طرف روانہ ہو جائیں۔ کیونکہ سارے عرب سے لڑائی مول لینے کی طاقت ہم میں نہیں ہے۔ یہ ہی تجویز پاس کر کے حضورؐ کی خدمت میں پہنچے آپ حضرت حسنؓ حسینؓ، فاطمہؓ اور علیؓ کو ساتھ لے کر باہر تشریف لا رہے تھے یہ نورانی صورتیں دیکھ کر ان کے لاٹ پادری نے کہا کہ میں ایسے پاک چہرے دیکھ رہا ہوں جن کی دعا پہاڑوں کو ان کی جگہ سے سرکا سکتی ہے۔ اس سے مباہلہ کر کے ہلاک نہ ہو۔ ورنہ ایک نصرانی زمین پر باقی نہ رہے گا۔ آخر انہوں نے مقابلہ چھوڑ کر سالانہ جزیہ دینا قبول کیا اور صلح کر کے واپس چلے گئے۔ حدیث میں آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اگر مباہلہ کرتے تو وادی آگ بن کر ان پر برستی اور خدا نجران کا بالکل استیصال کر دیتا ایک سال کے اندر اندر تمام نصاریٰ ہلاک ہو جاتے (تنبیہ) قرآن نے یہ نہیں بتلایا کہ مباہلہ کی صورت نبیؐ کے بعد بھی اختیار کی جا سکتی ہے اور یہ مباہلہ کا اثر کیا ہمیشہ وہ ہی ظاہر ہونا چاہئے جو آپ کے مباہلہ میں ظاہر

ہونے والا تھا۔ بعض سلف کے طریق عمل اور بعض فقہائے حنفیہ کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ مباہلہ کی مشروعیت اب بھی باقی ہے مگر ان چیزوں میں جن کا ثبوت بالکل قطعی ہو۔ یہ ضروری نہیں کہ مباہلہ میں بچوں، عورتوں کو بھی شریک کیا جائے۔ مباہلین پر اس قسم کا عذاب آنا ضروری ہے۔ جو پیغمبر کے مباہلہ پر آتا۔ بلکہ ایک طرح کا اتمام حجت کر کے بحث و جدال سے الگ ہو جانا ہے۔ اور میرے خیال میں مباہلہ ہر کاذب کے ساتھ نہیں صرف کاذب معاند کے ساتھ ہونا چاہئے۔

حاشیہ نمبر۴:۔ دعوت مباہلہ کے ساتھ بتلا دیا کہ مباہلہ اس پر کیا جاتا تھا کہ جو حضرت مسیح کے متعلق قرآن میں بیان ہوا۔ وہ ہی سچا بیان ہے اور خدا کی بارگاہ ہر قسم کے شرک اور باپ بیٹے وغیرہ کے تعلقات سے پاک ہے۔

حاشیہ نمبر۵:۔ اپنی زبردست قدرت وحکمت سے جھوٹے اور سچے کے ساتھ وہ ہی معاملہ کرے گا جو اس کے حسب حال ہو۔

حاشیہ نمبر۶:۔ اگر نہ دلائل سے مانیں نہ مباہلہ پر آمادہ ہوں تو سمجھ لو کہ احقاق حق مقصود نہیں نہ دل میں اپنے عقائد کی صداقت پر وثوق ہے محض فتنہ وفساد پھیلانا ہی پیش نظر ہے تو خوب سمجھ لیں کہ سب مفسدین اللہ کی نظر میں ہیں (عثمانی صاحب)

پہلے سورہ آل عمران کی آیات لکھی گئیں اور بعد میں وہ تفسیر لکھی گئی جو شیخ الہند صاحب کے ترجمہ پر لکھی گئی ہے۔ آیات میں اللہ نے حکم دیا اپنے نبی کو کہ ان سے کہو کہ بلائیں ہم اپنے بیٹوں کو اور تمہارے بیٹوں کو، اپنی عورتوں کو اور تمہاری عورتوں کو، اپنے مردوں (جانوں) کو اور تمہارے مردوں (جانوں) کو اور اللہ سے دعا کریں کہ جو جھوٹا ہو اس پر اللہ کی لعنت ہو عثمانی صاحب کی تفسیر میں لکھا ہے کہ حضورؐ حضرت علیؓ، فاطمہؓ حسنؓ، حسینؓ کو ساتھ لے کر مباہلہ کے لئے نکلے جن کو دیکھ کر نصاریٰ ڈر گئے اور انہوں نے صلح کر لی۔ اس روایت کی حقیقت کا پرکھنا ضروری ہے۔ ایک اہم بات قابل غور یہ ہے کہ آیت میں سب صیغے جمع کے ہیں۔ اور جمع میں کم سے کم تین عدد ضرور ہوتے ہیں، تین سے کم کو جمع نہیں کہتے۔ حضورؐ ضرور جانتے تھے کہ یہ جمع کا صیغہ ہے اس لئے قرآن کے حکم کی تعمیل میں

آپ کو اتنے افراد کو ضرور ساتھ لے کر نکلنا چاہئے تھا کہ وہ جمع کی تعریف میں آجاتے۔ مسئلہ کی صحیح نوعیت جاننے کے لئے پہلے ہمیں یہ دیکھنا چاہئے کہ مباہلہ سے کیا مراد ہے۔ جناب عبداللہ یوسف علی صاحب نے آیت ۶۱ کی اپنی انگریزی تفسیر کے حاشیہ نمبر ۴۰۰ میں لکھا ہے کہ مباہلہ سے عرض ایک ایسے سنجیدہ اجتماع سے ہے جس میں دونوں فریق نہ صرف اپنے مردوں کو بلائیں بلکہ اپنی عورتوں اور بچوں کو بھی شریک کریں اور پھر اللہ سے دعا کریں کہ جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ہو۔ عیسائیوں نے مباہلہ سے اجتناب کیا اور اسلامی ریاست سے جزیہ کی ادائیگی کی شرط کے ساتھ حفظ وامان کی ضمانت لے کر اپنے علاقہ کو واپس چلے گئے۔ مولانا مودودی صاحب بھی اپنی تفہیم میں رقم طراز ہیں کہ نجرانی عیسائیوں کا وفد مقابلہ پر نہیں آیا۔ ان دونوں حضرات کی تحریروں کے مطابق مقابلہ اور مباہلہ کی نوبت ہی نہیں آئی۔ ایسی صورت میں رسولؐ کو کیا ضرورت تھی کہ آپ علیؓ، فاطمہؓ، حسنؓ، حسینؓ، کو ساتھ لے کر نکلتے۔ اور واقعۃً نہیں نکلے۔

تاریخ کے مطابق نجران کے وفد کی آمد سن ۹ ھ میں ہوئی اس وقت تنہا مدینہ میں مسلمان مردوں، عورتوں اور بچوں کی تعداد ہزاروں میں تھی اور مدینہ کے باہر عرب کے مختلف علاقوں کے مسلمانوں کو شمار کیا جائے تو یہ تعداد لاکھوں تک پہونچتی ہے اگر مباہلہ (مقابلہ) کی ضرورت پیش آتی تو رسولؐ کم از کم مدینہ کے ہی ہزاروں مردوں، عورتوں اور بچوں کو اس عام سنجیدہ اجتماع میں شرکت کے لئے طلب فرماتے۔ رسولؐ سے بہتر مباہلہ کی شرائط کون سمجھ سکتا تھا۔

یہ روایت مسلمانوں میں عام ہے کہ رسول محض اپنے اہل بیت کو ہی ساتھ لے کر نکلے اور ان کے نزدیک اہل بیت محض پانچ نفوس یعنی محمدؐ، علیؓ، فاطمہؓ، حسنؓ اور حسینؓ ہیں۔ ان روایات نے ازواجِ مطہرات، آپ کی دوسری بیٹی جو اس وقت حیات تھیں اور حضرت عثمانؓ کے نکاح میں تھیں، آپ کے صاحبزادے ابراہیم جو اس وقت موجود بتلائے جاتے ہیں، آپ کے چچا عباسؓ، جو اس وقت موجود تھے اور جو شرعی اعتبار سے علیؓ، فاطمہؓ، حسنؓ، حسینؓ کے مقابلہ میں قرابت داری میں رسولؐ سے زیادہ قریب تھے، کو اہل بیت کی فہرست سے

خارج کر دیا ہے۔ آخر ایسا کیوں؟ دراصل یہ روایات ایک سوچی سمجھی اسکیم کا حصہ ہیں جس کے سبب آگے چل کر امت میں فتنہ وفساد اور انتشار کا دروازہ کھل گیا اور علیؓ و فاطمہؓ اور ان کی اولاد کو معصوم گردانا گیا۔ اور ان کو اوروں کے مقابلہ میں خلافت اور امامت کا زیادہ حقدار قرار دیا گیا یہ سب کشت وخون پر منتج ہوا۔ تاریخ اسلام اس کی گواہ ہے۔

اب دیکھا جائے کہ حضرت علی واحد مرد، حضرت فاطمہ واحد عورت، حسن وحسین دو، کوئی عدد بھی جمع کی تعریف میں نہیں آتا اور آیت کے منشاء کو پورا نہیں کر رہا ہے۔ اگر اس قافلہ کو صحیح مان لیا جائے، جیسا کہ مانا جا رہا ہے، تو حضورؐ کی شان مجروح ہو رہی ہے اور ایک جانبداری ظاہر ہو رہی ہے کہ کیا آپ کو صرف یہی نفوس پیارے تھے اور کیا صرف یہی مومن تھے؟ کیا کبھی ہم نے غور کیا؟

اللہ خبر دے رہا ہے کہ اے نبی یہ لوگ یعنی نجرانی عیسائی روگردانی کریں گے کیونکہ یہ مفسد ہیں یعنی نہیں آئیں گے، تو کیا حضورؐ نے ان الفاظ کا مطلب نہ سمجھا (نعوذ باللہ) یقیناً سمجھا اور دراصل آپ نکلے ہی نہیں جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔ عثمانی صاحب کی تفسیر میں لکھا ہے کہ وفد نصاریٰ نے جب ان نفوس کو دیکھا تو ان کے نورانی چہروں کو دیکھ کر ڈر گئے۔ تو کیا فاطمہؓ بے پردہ تھیں؟ غور ضروری ہے۔ جبکہ حضرت فاطمہؓ پردے سے رہتی تھیں۔ تفسیر میں یہ الفاظ بھی درج ہیں کہ اگر انہوں نے بددعا کر دی تو سب نصاریٰ کا خاتمہ ہو جائے گا اور ان پر آگ برسے گی، تو پھر انہوں نے نصاریٰ کے لئے یہ دعا کیوں نہ کی کہ وہ سب ایمان لے آئیں۔ یا وہ نصاریٰ ہی اس حقیقت کو دیکھ کر مسلمان ہو جاتے؟

ایک اہم بات یہ کہ طبری نے اپنی تاریخ میں اس واقعہ مباہلہ کا کہیں تذکرہ نہیں کیا ہے۔ ان سب باتوں پر غور کرنے کے بعد یہی نتیجہ سامنے آتا ہے کہ حضورؐ ان چار نفوس کو لے کر نہیں نکلے، چونکہ محمدؐ اللہ کے رسول ہیں وہ فہم وفراست اور اخلاق کا خزانہ تھے پھر ان سے خلاف واقعہ امر کے صدور کی گنجائش ہی نہیں ہے۔ اور مباہلہ کی نوبت ہی نہیں آئی۔

کیا واقعہ افک پیش آیا؟

واقعۂ افک کو تاریخ اسلام میں بڑے زور شور سے بیان کیا گیا ہے لیکن کیا یہ واقعہ درحقیقت وقوع پزیر ہوا؟ سلمان رشدی نے بھی اس سلسلہ کی روایت کو بنیاد بنا کر شانِ رسول میں گستاخی کی ہے۔ اس سوال کا جواب جاننے کے لئے گہری تحقیق ضروری ہے۔ سب سے پہلے یہ دیکھنا ضروری ہے کہ واقعہ افک ہے کیا؟ اور کتب تواریخ اور تفاسیر میں اس کو کس طرح روایت کیا گیا ہے۔ قرآن کریم کا جو ترجمہ شیخ الہند نے کیا ہے اس میں سورۂ نور کی آیت نمبر ۱۱ کے ترجمہ پر جناب شبیر احمد عثانی صاحب نے جو تفسیر لکھی ہے۔ اس کا اقتباس ذیل میں دیا جا رہا ہے۔

نمبر ۳ یہاں سے اس طوفان کا ذکر ہے جو حضرت عائشہؓ پر اٹھایا گیا تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ نبی کریمؐ ۶ ھ میں (سن ۵ ھ) میں غزوہ بنی المصطلق سے واپسی پر مدینہ تشریف لا رہے تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہ بھی ہمراہ تھیں۔ ان کی سواری کا اونٹ علیحدہ تھا وہ ہودہ میں پردہ چھوڑ کر بیٹھ جاتیں جمال ہودے کو اونٹ پر باندھ دیتے۔ ایک منزل پر قافلہ ٹھہرا ہوا تھا، کوچ سے ذرا پہلے حضرت عائشہؓ کو قضائے حاجت کی ضرورت پیش آئی۔ جس کے لئے قافلہ سے علیحدہ ہو کر جنگل کی طرف تشریف لے گئیں، وہاں اتضاق سے ان کا ہار ٹوٹ کر گر گیا۔ اس کی تلاش میں دیر لگ گئی، یہاں پیچھے کوچ ہو گیا۔ جمال حسبِ عادتِ اونٹ پر ہودہ باندھنے آئے۔ اور اس کے پردے پڑے رہنے سے گمان کیا کہ حضرت عائشہؓ اس میں تشریف رکھتی ہیں۔ اٹھاتے وقت شبہ نہ ہوا۔ کیونکہ ان کی عمر تھوڑی تھی اور بدن بہت ہلکا پھلکا تھا۔ غرض جمانوں نے ہودہ باندھ کر اونٹ کو چلتا کر دیا۔ حضرت عائشہؓ واپس آئیں تو وہاں کوئی نہ تھا۔ نہایت استقلال سے انہوں نے یہ رائے قائم کی کہ یہاں سے اب جانا خلافِ مصلحت ہے۔ جب آگے جا کر میں نہ ملوں گی تو یہیں تلاش کرنے آئیں گے۔ آخر وہیں قیام کیا، رات کا وقت تھا، نیند کا غلبہ ہوا وہیں لیٹ گئیں۔ حضرت صفوانؓ بن معطل گرے پڑے کی خبر گیری کی غرض سے قافلہ کے پیچھے کچھ فاصلہ سے رہا کرتے تھے، وہ اس موقع پر صبح کے وقت پہنچے۔ دیکھا کوئی آدمی پڑا سوتا ہے۔ قریب آ کر پہچانا کہ حضرت عائشہؓ ہیں (کیونکہ

پردہ کا حکم آنے سے پہلے انہوں نے ان کو دیکھا تھا) دیکھ کر گھبرا گئے اور ''اِنَّ لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن'' پڑھا جس سے ان کی آنکھ کھل گئی فوراً چہرا چادر سے ڈھانک لیا۔ حضرت صفوانؓ نے اونٹ ان کے قریب لا کر بٹھلا دیا۔ یہ اس پر پردہ کے ساتھ سوار ہو گئیں۔ انہوں نے اونٹ کی نکیل پکڑ کر دوپہر کے وقت قافلہ سے ملا یا۔ عبداللہ بن اُبی بڑا خبیث، بدباطن، اور دشمن رسول اللہ کا تھا، اسے ایک بات ہاتھ لگ گئی اور بد بخت نے واہی تباہی بکنا شروع کیا۔ اور بعض بھولے بھالے مسلمان بھی مثلاً مردوں میں سے حضرت حسانؓ، حضرت مسطحؓ، اور عورتوں میں سے حضرت حمنہ بنت جحش) منافقین کے مغویانہ پراپیگنڈا سے متاثر ہو کر اس قسم کے افسوس ناک تذکرے کرنے لگے۔ عموماً مسلمانوں کو اور خود جناب رسول کریمؐ کو اس قسم کے واہیات تذکروں اور شہرتوں سے سخت صدمہ تھا۔ ایک مہینہ تک یہ ہی چرچا رہا۔ حضورؐ سنتے اور بغیر تحقیق کچھ نہ کہتے، مگر دل میں خفا رہتے ایک ماہ بعد ام المومنین عائشہ صدیقہ کو اس شہرت کی اطلاع ہوئی، شدت غم سے بیتاب ہو گئیں اور بیمار ہو گئیں۔ شب و روز روتی تھیں۔ ایک منٹ کے لئے آنسو نہ تھمتے تھے۔ اسی دوران میں بہت سے واقعات پیش آئے اور گفتگو ہوئیں جو صحیح بخاری وغیرہ میں مذکور ہیں اور پڑھنے کے قابل ہیں۔ آخر حضرت صدیقہ کی برأت میں خود حق تعالیٰ نے قرآن کریم میں سورہ نور کی یہ آیتیں۔ انَّ الذِیْن جاء وبالافک الخ'' سے دور تک نازل فرمائیں جس پر عائشہ صدیقہؓ فخر کیا کرتی تھیں اور بلاشبہ جتنا فخر کریں تھوڑا تھا۔

اب سورہ نور کی آیت نمبر ۱۱ کا ترجمہ دیکھیں یہ ترجمہ مشہور عالم دین شیخ الہند کا ہے۔ اور مندرجہ بالا تفسیری نوٹ اسی ترجمہ پر لکھا گیا ہے۔

سورہ نور ۲۴ آیت ۱۱:۔ جو لوگ لائے ہیں یہ طوفان ۳، تمہیں میں ایک جماعت ہیں تم اس کو نہ سمجھو برا اپنے حق میں، بلکہ یہ بہتر ہے تمہارے حق میں، ہر آدمی کے لئے ان میں سے وہ ہے جتنا اس نے گناہ کمایا، اور جس نے اٹھایا ہے اس کا بڑا بوجھ اس کے واسطے بڑا عذاب ہے۔

آیت ۱۱ کا ترجمہ جو رائج ہے وہ آپ نے پڑھ لیا جس سے ظاہر ہو رہا ہے کہ کوئی

بہتان ضرور لگایا گیا لیکن چونکہ اس آیت کی شانِ نزول پہلے سے متعین کر لی گئی ہے اس لئے اُسی کا لحاظ کرتے ہوئے یہ ترجمہ کیا گیا ہے۔ ہمیں یہ دھیان رکھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے ضرورت پیش آنے سے پہلے ہی وحی کے ذریعہ رسولؐ کی رہنمائی کی ہے۔ سورہ نور کی آیت کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے۔ میں نہایت ادب سے گزارش کروں گا کہ زیرِ نظر آیت کا ترجمہ کرتے وقت عربی قواعد کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ لہذا اس آیت کا ترجمہ دوسرا بھی ہوسکتا ہے اور ایک کتاب جامع قوانین صرف فصول اکبری ص ۸ پر لکھا ہے کہ فعل ماضی کن کن مقامات پر مضارع کے معنی دیتا ہے۔ آمدہ ماضی بمعنی مضارع چند جا۔ (۱) عطف ماضی بر مضارع۔ (۲) مقام ابتداء (۳) بعد موصول۔ (۴) ندا۔ (۵) ولفظ حیث۔ (۶) وکلّما (۷) درجزا۔ (۸) وشرط۔ (۹) (۱۰) وعطف ہر دو در دعا۔ کتاب میں ۱۱ مقام بتلائے گئے ہیں جہاں پر فعل ماضی مضارع کا معنی دیتا ہے ان میں ایک اسم موصول لکھا ہے۔ اور یہاں پر مجھے صرف اسم موصول سے بحث ہے۔ آیت گیارہ اسم موصول سے شروع ہے یعنی ان الذین جاؤ۔ جس کا ترجمہ اوپر ملاحظہ کرلیا ہے کہ جو لوگ لائے ہیں یہ طوفان مگر اسم موصولہ سے اس آیات کا جو ترجمہ بنتا ہے وہ یہ ہے جس سے ساری حقیقت روشن ہوتی ہے۔

آیت نمبر ۱۱:۔ اور جو لوگ لائیں گے تہمت کا طوفان وہ تمہیں میں ایک جماعت ہیں تم اس کو اپنے حق میں بُرا نہ سمجھنا۔ بلکہ یہ بہتر ہے تمہارے حق میں ہر آدمی کے لئے ان میں سے وہ ہے جتنا اس نے گناہ کمایا اور جو اٹھائے گا اس کا بڑا بوجھ اس کے واسطے بڑا عذاب ہے۔

آیت میں ایک لفظ اور بھی میرے ترجمہ کے لئے راستہ صاف کر رہا ہے کہ یہی ٹھیک ہے یعنی مستقبل کا ترجمہ اور وہ لفظ ہے (لاتَحْسَبُوْ) جس کا ترجمہ ماضی میں کر دیا گیا ہے جبکہ اس کا ترجمہ مستقبل کے لئے ہونا چاہئے یعنی نہ سمجھنا۔ اس ترجمے پر غور و فکر ضروری ہے۔

اب مندرجہ بالا روایت کا جائزہ لیا جائے اور قرآن کے فرمان کی روشنی میں پرکھا جائے۔ آیت میں بہتان باندھنے والوں کو اللہ ایک گروہ بتلا رہا ہے یعنی متعدد افراد مگر تفسیر میں صرف ایک شخص عبداللہ بن ابی کا نام ہے کہ اس نے شہرت دی اور اس سے کچھ مسلمان متاثر ہو گئے جو تذکرہ کرنے لگے۔

تاریخ اسلام اور سیرت کی کتابوں میں اس غزوہ کو سن ۵ ھ میں لکھا ہے لیکن اس تفسیر میں سن ۶ ھ لکھا ہے۔ موسیٰ بن عقبہ کا قول یہ ہے کہ غزوہ احزاب شوال سن ۴ ھ میں ہوا تھا پھر غزوہ بنی المصطلق شعبان سن ۵ ھ میں ہوا تھا اور ابن اسحاق نے بتلایا ہے کہ غزوہ احزاب شوال سن ۵ ھ میں ہوا تھا پھر غزوہ بنی المصطلق شعبان سن ۶ ھ میں ہوا اور یہ بھی قول ہے کہ غزوہ بنی المصطلق شعبان سن ۵ ھ میں ہوا اور غزوہ خندق اور غزوہ بنی قریظہ دونوں اس کے بعد ہوئے ہیں۔ طبری کے مطابق غزوہ بنی المصطلق شعبان سن ۶ ھ میں پیش آیا اور شبلی نعمانی صاحب نے ایک پریشانی سے بچنے کے لئے یعنی سعد بن معاذ غزوہ احزاب میں شہید ہو گئے تھے مگر اس افک کے واقعہ میں ان کو زندہ دکھلایا ہے اس لئے اس روایت کو صحیح ثابت کرنے کے لئے غزوہ احزاب کو غزوہ بنی المصطلق کے بعد لکھا ہے۔ دیکھئے کتنے تضادات ہیں۔

بخاری میں خود لکھا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے تصریح فرمائی ہے کہ سعد بن معاذ نے بنی قریظہ کی مہم کے بعد متصلاً وفات پائی ہے۔

روایت کے مطابق جب اس بہتان کے واقعہ کو ایک ماہ کے قریب ہو گیا، اور کوئی حل نہ نکلا تو حضورؐ نے تحقیق شروع کی بریرہ کنیز سے معلوم کیا انہوں نے حضرت عائشہ کو پاک بتلایا، مگر کنیز بریرہ اس وقت عائشہؓ کے پاس نہ تھی وہ فتح مکہ کے بعد آئی تھی۔ حضرت زینب بنت جحش نے حضرت عائشہؓ کو پاک دامن بتلایا حضرت اسامہؓ بن زید نے بھی پاک دامن بتلایا، لیکن اسامہ بن زیدؓ اس وقت چودہ یا پندرہ سال کے نوعمر لڑکے تھے۔ حضرت علیؓ نے نہ تعریف کی اور نہ ہی مذمت لیکن دبے الفاظ میں کہا کہ آپ عائشہؓ کو چھوڑ دیں اور نکاح کر لیں۔ دیکھئے کس غیر محسوس انداز میں علیؓ پر تبرّا کیا گیا ہے۔

یہ سب باتیں تضاد سے پُر ہیں اور مسئلہ کو مشکوک بنا رہی ہیں۔ روایت میں مزید کہا گیا ہے کہ پھر آپ نے مسجد میں مہاجرین و انصار سے معلومات کیں۔ ان میں سے سعد بن معاذ سردار بنی اوس نے کہا اگر وہ شخص جس نے تہمت لگائی ہے خاندان بنی اوس میں ہو تو ہم اس کی گردن مار دیں اگر خزرج سے ہو تو جو آپؐ فرمائیں تعمیل ہوگی، اس بات کو سن کر

خزرجی ناراض ہوگئے اور لڑنے کو تیار ہوگئے۔ مگر بعد میں حضورؐ کے سمجھانے پر چپ ہوگئے۔ لیکن سعد بن معاذ اس واقعہ سے ۹ یا ۱۰ ماہ پہلے ہی شہید ہوگئے تھے جو کتاب المغازی بخاری حدیث ۱۲۷۷ میں خود بخاری نے لکھا ہے کہ سعد بن معاذ غزوہ خندق میں زخمی ہوگئے تھے اور وفات پاگئے اور موسیٰ بن عقبہ کے مطابق یہ غزوہ سن ۴ھ میں وقوع پزیر ہوا پھر خزرجی کا ناراض ہونا کیا یہ تاثر نہیں دے رہا کہ وہ بھی حضورؐ کی بات کو نہیں مانتے تھے۔ اس طرح ان روایات کی صداقت محل نظر ہے۔

علاوہ ازیں سورہ نور میں تہمت لگانے کی صورت میں اللہ نے صاف حکم دیا ہے کہ جو لوگ پاک دامنوں پر تہمت لگائیں وہ اپنی شہادت میں چار گواہ پیش کریں اگر گواہ نہ لائیں تو وہ جھوٹے ہیں ان کو سزا میں ۸۰ کوڑے مارے جائیں، اس حکم کے ہوتے ہوئے، حضورؐ کو اِدھر اُدھر تحقیق کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ تہمت لگانے والوں کا پتہ تھا۔ بلا کر مجمع کے سامنے ان سے گواہ طلب کرتے اگر نہ لاتے تو جھوٹے ثابت ہوتے، پھر ان کو حکم الٰہی کے مطابق سزا دی جاتی۔ مگر تاریخ میں اس عمل کا بھی کہیں پتہ نہیں چلتا کہ عبداللہ بن ابی کو سزا دی ہو اس لئے بھی معاملہ مشکوک ہے۔ روایات میں مزید کہا گیا ہے کہ حضرت عائشہؓ پر جو تہمت لگی تھی اللہ نے اس کی تردید کی ۱۶ سولہ آیتوں میں۔ لیکن ان آیتوں میں نہ تو کہیں حضرت عائشہ کا نام ہے اور نہ ہی کہیں صیغہ واحد مؤنث ہے آخر کی آیت نمبر ۲۶ کا فرمودہ حسبِ ذیل ہے:۔

سورہ نور آیت ۲۶:۔ اس آیت کا ترجمہ جو عام ہے پہلے وہ لکھا جا رہا ہے

(۱) فتح محمد جالندھری۔ ناپاک عورتیں ناپاک مردوں کے لئے ہیں اور ناپاک مرد ناپاک عورتوں کے لئے اور پاک عورتیں پاک مردوں کے لئے ہیں۔ اور پاک مرد پاک عورتوں کے لئے۔

(۲) شیخ الہند۔ گندیاں ہیں گندوں کے واسطے اور گندے ہیں واسطے گندیوں کے اور ستھریاں ہیں ستھروں کے واسطے اور ستھرے ہیں ستھریوں کے واسطے۔

(۳) احمد رضا خاں بریلوی، گندیاں ہیں گندوں کے لئے اور گندے ہیں گندیوں کے لئے

اور ستھریاں ستھروں کے لئے اور ستھرے ستھریوں کے لئے۔

(۴) شاہ عبدالقادر گندیاں ہیں گندوں کے واسطے اور گندے ہیں گندیوں کے لئے اور ستھریاں ہیں ستھروں کے لئے اور ستھرے واسطے ستھریوں کے۔

(۵) فرمان علی، گندی عورتیں گندے مردوں کے لئے (مناسب) ہیں اور گندے مرد گندی عورتوں کے لئے اور پاک عورتیں پاک مردوں کے لئے (موزوں) ہیں اور پاک مرد پاک عورتوں کے لئے۔

مودودی صاحب، تھانوی صاحب حتیٰ کہ اکثر عالم اس راہ کے ہی مسافر ہیں اگر اس ترجمہ کو درست مان لیا جائے، جیسا کہ مانا جا رہا ہے، تو اس سے ایک ناگوار صورت حال سامنے آئے گی کیونکہ حضرت لوطؑ پاک تھے اور ان کی بیوی گندی تھی۔ ایسے ہی فرعون ناپاک اور دشمن خدا تھا اور اس کی بیوی پاک و نیک تھی۔ دیکھا روایت پرستی ہمیں کہاں لے جا کر چھوڑے گی۔

اب میں اس آیت کا ترجمہ لکھتا ہوں جو میرے نزدیک صحیح ہے۔

سورہ نور آیت ۲۶:۔ گندی باتیں ہیں گندے آدمیوں کے لئے (یعنی گندے کام) اور گندے آدمیوں سے گندی باتیں ہی منظر عام پر آئیں گی۔ اور اچھی باتیں اچھے آدمیوں کے لئے اور اچھے آدمی ہیں اچھے کاموں کے لئے۔ وہ لوگ یعنی نیک بری ہیں بے تعلق ہیں ان باتوں سے جو یہ گندے لوگ ان کے لئے کہتے ہیں (یا کہیں گے) ان کے لئے بخشش ہے اور روزی ہے عزت کی۔

جناب محمد فاروق خاں نے قرآن کے اپنے ہندی ترجمے میں یہ ہی ترجمہ کیا ہے۔

اس آیت میں بھی کہیں نہ تو عائشہ کا نام ہے، اور نہ ہی صیغۂ واحد ہے اس لئے شک یہاں بھی پیدا ہوگیا۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ ان آیات میں نیک مومن مرد، عورتوں کو پاک دامن بتلایا ہے۔ جو الزام ظالم لوگ لگا رہے تھے یا لگائیں گے اس سے ان کو بری کیا گیا ہے۔ کہ مومن مرد اور عورت کوئی غلط کام نہیں کرتے وہ ہمیشہ اچھا کرتے ہیں۔ چونکہ ایک نیا معاشرہ تشکیل پا رہا تھا۔ اس لئے اس کے لئے ایک ضابطۂ حیات اللہ کی طرف سے

دیا جارہا تھا۔ تا کہ مختلف نوع کے مسائل درپیش آنے سے پیشتر ہی مومنین کو ان سے نبرد آزما ہونے کے لئے مسلح کر دیا جائے اور صحیح سمت میں رہنمائی کے لئے ضروری ہدایات دے دی جائیں۔

بہر حال عائشہ مومن تھیں اور زوجہ مطہر تھیں۔ حقیقت میں منافقین نے مسلمانوں میں اختلاف اور جھگڑا کرانے کے لئے کچھ الزامات مومن مردوں اور عورتوں کی طرف منسوب کرنے شروع کر دئے تھے جو غلط تھے۔ اور آئندہ کے لئے بھی اسی طرح کے اندیشے تھے۔ چونکہ سادہ لوح مسلمان ان کی تصدیق نہ کرتے ہوئے آپس میں ان کا چرچا کرنے لگتے۔ اس پر اللہ نے مسلمانوں کو یہ بتلایا کہ اے مسلمانو! ایسے موقع پر کرنا یہ ہے کہ اگر کوئی غلط بات سنو تو اس کو اپنے بڑوں کے پاس لے جاؤ، وہ اس کی تحقیق کریں گے اور حقیقت کو پالیں گے۔ اور وہ تہمت لگانے والوں سے کہیں گے کہ تم اپنے چار گواہ لاؤ یہ طریقہ اس کے تدارک کا بتلایا گیا ہے۔ یہ کہیں نہیں ہے کہ یہ الزام عائشہ پر تھا جو ایک غزوہ سے واپسی پر گھڑا گیا۔ اس الزام کی زد میں تو پورے مومن تھے جس الزام کی تردید ۲۴/۲۶ میں پائی گئی ہے۔ افک کے واقعہ کو مولانا شبیر احمد ازہر میرٹھی صاحب نے بھی بالکل غلط اور بکواس بتلایا ہے۔

افک کے متعلق جو روایات بیان کی جاتی ہیں ان پر غور کرنے سے یہ واقعہ بالکل غلط ثابت ہو رہا ہے۔ مثلاً غزوہ سے واپسی پر لشکر رات میں قیام پزیر ہوا۔ حضرت عائشہؓ حوائج ضروریہ سے فراغت کے لئے لشکر سے باہر گئیں۔ اسی دوران لشکر نے کوچ کر دیا۔ حضرت عائشہؓ چھوٹ گئیں اور بعد میں ایک صحابی ان کو لے کر دوپہر کے وقت لشکر میں پہونچے۔ قابل غور بات یہ ہے کہ کیا لشکر میں صرف عائشہ ہی تنہا عورت تھیں، اور نہ تھیں؟ جبکہ اور بھی ضرور ہوں گی۔ ایسی حالت میں وہ ان عورتوں کے ساتھ جاتیں، اگر مان لیا جائے صرف وہی تھیں تو حضورؐ کو بتلا کر جاتیں اور حضورؐ ان کا انتظار کرتے۔ اگر یہ بھی نہیں تو فراغت کے لئے لشکر سے دور نہ جاتیں کہیں پاس میں ہی بیٹھ جاتیں۔ اور جب لشکر چلتا تو آجاتیں۔ ایسا تو نہیں تھا کہ لشکر میں کچھ سامان نہ تھا اور آدمی بھی تھوڑے تھے اور بغیر کسی

آہٹ کے چل دئے، عائشہ کو خبر نہ ہوئی بلکہ پورا لشکر تھا، اونٹ گھوڑے خچر وغیرہ ساتھ تھے ان پر ساز باندھ کر سامان لادنا تھا، ایسی حالت میں گھوڑے ہنہناتے، اونٹ بلبلاتے، لوگ چلتے پھرتے، بول چال ہوتی تو عائشہؓ کو ضرور خبر ہو جاتی اور وہ آجاتیں۔ سب باتوں کو چھوڑئے صرف ایک کو دیکھئے کہ چلتے وقت حضورؐ تو ضرور ہی عائشہؓ کو دیکھتے، اور ڈولی اٹھانے والے بھی اندازہ کرتے کہ ڈولی خالی ہے یا بھری۔ کیا حضورؐ (نعوذ) ایسے بے خبر تھے کہ اپنی زوجہ کے بارے میں بھی معلوم نہیں کیا اور چل دئے اور دوپہر تک خبر نہ لی۔ علاوہ ازیں آپ نے راستہ میں کہیں تو نمازِ فجر پڑھی ہوگی۔ وہاں دیکھتے، کیونکہ آپ اپنے گھر والوں کو تہجد تک میں اٹھاتے تھے۔ مگر یہ کچھ نہ ہوا اور لشکر چلتا رہا۔ آخر ایسا کیسے ہوا؟

ایک بات یہ بھی غور کرنے کی ہے کہ ڈولی والوں کو یہ احساس نہ ہوا کہ ڈولی خالی ہے یا بھری، بار بار اٹھا کر رکھی ہوگی بار بار اُتاری ہوگی؟ روایت میں اس کی تاویل اس طرح کی گئی ہے کہ عائشہؓ بہت ہلکی پھلکی تھیں اور ڈولی والے احساس نہ کر سکے۔ نکاح کے وقت عائشہ کی عمر کیا تھی، اور ان کی رخصتی کتنی عمر میں ہوئی، روایات کے مطابق عائشہؓ کی عمر شادی کے وقت چھ سال اور رخصتی کے وقت نو سال بتلائی گئی ہے، اور وہ بہت ہلکی پھلکی تھیں، کھانا بھی بہت کم کھاتی تھیں۔ پہلے تو یہ عمر والی بات بالکل غلط ہے۔ قرآن میں نکاح کی کیا عمر ہے؟ کہ جب وہ سمجھ دار ہو جائے اور بلوغ کو پہونچ جائے نکاح کے وقت اس امر کا ضرور خیال رکھا گیا ہوگا۔

عمر کی تحقیق بھی ساتھ میں ہو جائے، قرآن کی یہ آیات ۴/۶، ۱۷/۳۷، ۱۸/۸۴، ۲۲/۱۲ دیکھیں۔ علاوہ ازیں حضرت اسماءؓ کی وفات ۷۳ھ میں ہوئی بوقت وفات ان کی عمر سو برس سے زیادہ تھی۔ حضرت اسماءؓ حضرت عائشہؓ سے دس برس بڑی تھیں ہجرت کے وقت اسماء کی عمر ۲۷ برس سے زیادہ ہوئی۔ دس برس بڑی ہونے کا مطلب ہوا اس وقت عائشہؓ کی عمر ۱۷ برس ہوئی، اس لئے بوقت نکاح عائشہ کی عمر ۱۴ سال ہوئی جبکہ ہجرت سے ۳ سال قبل یعنی ۱۰ نبوی میں نکاح ہوا ہو۔ اگر ایک سال پہلے نکاح ہوا تو ۱۶ سال کی عمر میں نکاح ہوا اور یہ عمر بلوغ کو پہنچ جاتی ہے اس طرح رخصتی کے وقت آپ کی عمر ۱۷ یا ۱۹ سال سے کم نہیں تھی۔

تحقیق عمر۔ ''وَ ہِیَ اَکْبَر وَمِنْ اُختہا عائشہ بعشر سنین''

ص ۳۴۶: ۔ جلد ۸ (البدایہ) علامہ ابن کثیر

وزن کا معاملہ بھی قابل غور ہے۔ اگر کتنی بھی ہلکی تھیں تو بھی آپ کا وزن ۳۰ کلو سے تو کم ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، اور یہ وزن ایسا ہوتا ہے کہ اس کی کمی ضرور محسوس کی جاتی ہے۔ اگر وزن کو کچھ اور کم مان لیں تو بھی اس کی کمی ضرور محسوس کی جانا چاہئے تھی، آخر جمال اس کمی کو محسوس کرنے سے کیوں قاصر رہے؟

ایک بات یہ کہ حضورؐ نے جب مسجد میں تحقیق کی تو قسم کھا کر یعنی تشہد کے ساتھ کہا کہ عائشہ بالکل پاک دامن ہیں۔ اس کے باوجود جب آپؐ نے عائشہ سے دریافت کیا تو یہ کہا کہ اگر عائشہ تجھ سے واقعی غلطی ہوگئی ہے تو اللہ سے معافی مانگ؟ مسجد میں الفاظ یقین کے اور یہاں اظہار تشکیک؟ یہ تضادِ روایت نہیں تو پھر کیا ہے۔ اس کے بعد عائشہ کا جواب بھی کتابوں میں درج ہے وہ بھی دیکھ لیں یعنی جب عائشہ کی بقول روایات برأت کی آیات آ گئیں تو عائشہ کی والدہ نے کہا کہ حضورؐ کا شکریہ ادا کرو، تو عائشہ نے کہا کہ میں ان کا شکریہ کیوں ادا کروں اللہ کا کروں گی۔

اس سلسلے کی باتیں تو اور بھی ہیں جو خود ہی اپنے تضاد کی وجہ سے اس روایت کو غلط ثابت کر رہی ہیں، لیکن طوالت کے خیال سے یہاں ان کا ذکر نہیں کیا جا رہا ہے۔ بہر حال سامنے آ جائیں گی۔ پس یہ سمجھئے کہ حضورؐ صحابہ کرام اور ازواج مطہرات کو بے آبرو کرنے کی غرض سے یہ افسانہ وضع کیا گیا ہے۔ اور ایسے افسانے تراشنے والے شیطان ہیں جنہوں نے عائشہؓ، عمرؓ وغیرہ کو بدنام کرنے کے لئے اس طرح کے فرضی قصوں کو شان نزول کا نام لے کر قرآن سے جوڑ دیا، جن میں بظاہر ان حضرات کی تعریف نظر آتی ہے، مگر حقیقت میں ان پر الزام ہے، جس کو تبرا بھی کہتے ہیں۔ حاصل تحریر یہ کہ افک کے واقعہ سے متعلق روایات بالکل غلط ہیں اور عائشہؓ سے اس کا کوئی تعلق نہیں اور نہ یہ وقوع پزیر ہوا۔ افک کی تردید جناب شبیر احمد ازہر صاحب میرٹھی نے بھی بڑے زوردار الفاظ میں کی ہے۔

قرآن کی روشنی میں کتنی بیویاں ایک ساتھ نکاح میں رہ سکتی ہیں؟

مسلم سماج اور غیر مسلم سماج میں عام طور پر مرد کے لئے ایک وقت میں ایک ہی بیوی رکھنے کا رواج رہا ہے۔ ہاں، البتہ شاہان وقت، امراء، اور روؤساء اپنے حرم میں ایک سے زائد بیویاں رکھتے رہے ہیں بلکہ بہت سو کے یہاں تو یہ تعداد بہت زیادہ رہی ہے۔ جس کے سبب عورتوں کے ساتھ زیادتی اور ناانصافی کے واقعات پیش آتے رہے ہیں۔

اسلام نے عورتوں کے ساتھ اس ظلم و زیادتی کو ختم کرنے اور جنسی بے راہ روی کو روکنے کے لئے ایک ضابطہ نکاح وطلاق کے بارے میں دیا اور اس کی حد بھی مقرر کر دی کہ ایک مرد عام حالات میں اور ہنگامی صورت حال میں ایک وقت میں کتنی بیویاں تک اپنے نکاح میں رکھ سکتا ہے اور اس سلسلہ میں قرآن میں واضح احکام دئے تا کہ سماج میں اخلاقی و معاشرتی توازن قائم رہے۔ ان احکام کے ذریعہ ان اندیشوں اور خطرات کا بھی سد باب کیا گیا ہے کہ کہیں صاحب دولت وجاہ اپنے بے پناہ وسائل کے بل بوتے پر بہت سی عورتیں اپنے حرم میں نہ ڈال لیں اور کم وسائل رکھنے والے اور کمزور طبقے کے لوگ عورتوں اور بیویوں سے محروم رہ جائیں جو معاشرہ میں بدچلنی اور بداخلاقی پھیلنے کا موجب بنے

یہ سوال کافی طویل عرصے سے موضوع بحث بنا ہوا ہے کہ خود رسولؐ نے کل کتنے نکاح کئے اور ان کے حرم میں ایک وقت میں کتنی ازواج رہیں۔ کتب تواریخ و سیرت اور مختلف روایات کے مطابق رسول کی ازواج کی تعداد اس حد سے زیادہ لکھی ملتی ہے جو قرآن نے زیادہ سے زیادہ مقرر کی ہے۔

مستشرقین اور مغربی دنیا کے دانشوروں نے اس بارے میں خاصی لے دے مچائی ہے۔ اور اعتراضات کئے ہیں۔ اب ہم زیر نظر باب میں ان سوالات کا جائزہ لینے کی کوشش کریں گے کہ ایک عام مرد عمومی حالات میں کتنی بیویاں اپنے نکاح میں رکھنے کا پابند ہے اور ہنگامی حالات میں ان کی تعداد کس حد تک ہو سکتی ہے۔ ہم یہ بھی جائزہ لیں گے کہ رسول کے نکاح میں ایک وقت میں کتنی ازواج رہیں اور کیا کبھی ان کی تعداد قرآن کی مقررہ حد سے متجاوز رہی۔ پہلے ان فہرستوں پر نظر ڈال لی جائے جو تاریخ اور سیرت کی کتابوں میں نبیؐ کی ازواج کی تعداد کے حوالے سے لکھی ملتی ہیں۔

بحوالہ نعیم صدیقی صاحب کتاب محسن انسانیت :۔

(۱) نام	نکاح	رخصتی	وفات
(۱) حضرت خدیجہؓ			۱۰ ر نبوی رمضان
(۲) حضرت عائشہؓ	۱۰ نبوی	سن ۱ھ	
(۳) حضرت حفصہؓ	سن ۳ھ		
(۴) حضرت زینبؓ	س ۳ھ		۳ ماہ بعد وفات
(۵) حضرت جویریہؓ	سن ۵ھ		
(۶) حضرت زینبؓ	سن ۵ھ		
(۷) حضرت صفیہؓ	سن ۷ھ		
(۸) حضرت میمونہؓ	سن ۷ھ		

نمبر۴ پر درج حضرت زینبؓ جنگ احد میں بیوہ ہوگئی تھیں جنگ احد ۶ ر شوال سن ۳ھ میں واقع ہوئی اس لئے ان کی عدت چار ماہ دس دن کے حساب سے سن ۴ھ صفر میں پوری ہوتی ہے، جب کہ ان کا نکاح حضورؐ سے سن ۳ھ میں لکھا گیا ہے اس طرح ان کی عدت پوری نہیں ہوتی سن ۳ھ میں عدت پورا ہونے کا صرف ایک ہی سبب ہوسکتا ہے کہ حضرت زینبؓ حاملہ ہوں اور جلد ہی سن ۳ھ میں ولادت ہوگئی ہو تب نکاح ہوسکتا ہے۔ مگر اس بارے میں تاریخ احادیث خاموش ہیں۔ اگر حاملہ ہوتیں تو کسی بچہ کا ذکر ملتا اور وہ حضورؐ کی کفالت میں رہتا جیسے حضرت زینبؓ تھیں اور ان کے انتقال کے بعد بھی وہ بچہ حضورؐ کے گھر میں ہی پرورش پاتا۔ یا وہ بچہ پیدا ہوتے ہی انتقال کر جاتا تب بھی کسی گوشے میں اس کا تذکرہ ضرور ہوتا لیکن ایسا کہیں بھی کوئی ذکر نہیں ہے۔

(۲) ایک عالمی تاریخ	نکاح	وفات
(۱) حضرت خدیجہؓ	۲۵ میلادی	۱۰ ر نبوی
(۲) حضرت سودہ بنت زمعہ	۱۰ ر نبوی	۵۴ھ
(۳) حضرت عائشہؓ	شوال ۱۰ ر نبوی	۵۷ھ

(۴) حضرت حفصہؓ	۳ھ	۴۵ھ
(۵) حضرت زینبؓ	۳ھ ربیع الثانی	

یہاں اور بھی زیادہ تضاد ہے یہ حضور کے نکاح میں ۳ ماہ رہیں حساب لگا کر دیکھیں ربیع الثانی اور جنگ احد سے۔

(۶) ام سلمہؓ	۴ھ	۴۵ھ یا ۶۳ھ
(۷) زینب بنت جحش	۵ھ	۲۰ھ
(۸) جویریہؓ	۵ھ	۵۰ھ
(۹) ام حبیبہؓ	۷ھ	۴۴ھ
(۱۰) صفیہؓ	۷ھ	۵۰ھ
(۱۱) میمونہؓ	۷ھ	۵۰ھ

آنحضرت کی کنیزیں

(۱) ماریہ قبطیہ (۲) ریحانہ (۳) نفیسہ (۴) ایک اور کنیز تھی جو کسی غزوہ میں آئی تھی اور نہایت حسین تھی۔

نمبر۳ سیرۃ النبی کامل۔ مرتبہ ابن ھشام جلد نمبر۲۔ ترجمہ تہذیب مولانا عبدالجلیل صدیقی مولانا غلام رسول مہر۔ اعتقاد پبلشنگ ہاؤس۔ ازواج مطہرات

(۱) حضرت خدیجہؓ
(۲) حضرت عائشہؓ
(۳) حضرت سودہؓ
(۴) حضرت زینبؓ
(۵) حضرت ام سلمہؓ
(۶) حضرت حفصہؓ
(۷) حضرت ام حبیبہؓ
(۸) حضرت جویریہؓ
(۹) حضرت صفیہؓ
(۱۰) حضرت میمونہؓ
(۱۱) حضرت زینب بنت خزیمہ
(۱۲) اسماء بنت کندیہ ان سے آپ کا نکاح ہوا۔ اور جب آپ نے ان کے اندر برص کی سفیدی دیکھی تو انہیں کچھ متاع دے کر ان کے گھر واپس کر دیا؟

(۱۳) عمرہ بنت یزید کلابیہ۔ یہ جدید الاسلام تھیں۔ یہ جب رسولؐ کے پاس آئیں تو آپ سے پناہ مانگی۔ اس پر آپ نے فرمایا یہ بچنا چاہتی ہے اور اللہ کی پناہ چاہتی ہے۔ اس پر آپؐ نے انہیں ان کے گھر والوں میں واپس کر دیا۔ اس فہرست میں ۱۳ ازواج کا ذکر ہے اور عمرہ بنت یزید کلابیہ کو طلاق دینا لکھا ہے جب کہ حدیث بخاری میں نام لکھا ہے جونیہ بنت جون یا امیمہ بنت شراحیل کی طلاق کا ذکر ہے جس کو ایک باغ میں اس کی آیا کے ساتھ بلایا گیا تھا جس کا ذکر تفصیل کے ساتھ طلاق والے باب میں کیا گیا ہے۔

فہرست نمبر ۴ طبری نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ مندرجہ بالا ازواج کے علاوہ رسولؐ نے نشاۃ بنت رفاعہ (۱۴) شنیاء بنت عمر الغفاریہ (۱۵) ظزیہ بنت جابر (۱۶) اسماء بنت النعمان (۱۷) شراف بنت الخلیفہ (۱۸) عالیہ بنت ظبیان (۱۹) قتیلہ بنت قیس (۲۰) خولہ بنت الہذیل (۲۱) عمرہ بنت یزید (۲۲) فاطمہ بنت شریح (ام شریک) (۲۳) سے نکاح کئے گویا ۲۳۔ اس کے علاوہ طبری نے لکھا ہے کہ ہشام بن محمد اپنے باپ سے روایت بیان کرتے ہیں کہ رسولؐ نے پندرہ عورتوں سے نکاح کیا۔ تیرہ کے ساتھ آپ نے مباشرت کی، ایک وقت میں گیارہ موجود رہیں اور نو کو چھوڑ کر آپؐ کی وفات ہوئی۔ اس کے بعد طبری نے لکھا ہے کہ رسولؐ نے ام ہانی بنت ابی طالب، ضباء بنت عامر، صفیہ بنت بشامہ اطور، ام حبیب بنت العباس، حمرہ بنت الحارث کو نکاح کے پیغامات دئے مگر مختلف وجوہ سے ان سے آپ کا نکاح نہیں ہو سکا۔

یہ رہی رسولؐ کی ازواج کی فہرست۔ اب دیکھا جائے کہ رسولؐ کو قرآنی احکام کی پابندی کے لئے کیا ہدایات دی گئی ہیں۔

سورہ انعام آیات نمبر ۵۰:۔ میں تو اس پر چلتا ہوں جو میرے پاس اللہ کا حکم آتا ہے۔

یونس آیت ۱۵:۔ تو کہدے کہ میرا کام نہیں کہ اس کو بدل دوں اپنی طرف سے، میں پیروی کرتا ہوں اس کی جو حکم آئے میری طرف میں ڈرتا ہوں اگر نافرمانی کروں اپنے رب کی بڑے دن کے عذاب سے۔

الاحقاف آیت ۹:۔ میں اس کی پیروی کرتا ہوں جو حکم آتا ہے مجھ کو اور میرا کام تو

صرف ڈر سنا دینا ہے کھول کر۔

انعام آیت ۱۰۶:۔ تو چل اس پر جو حکم تجھ کو آوے تیرے رب کا، کوئی رب نہیں سوا اس کے اور منہ پھیر لے مشرکوں سے۔

یونس ۱۰ آیت ۱۰۹:۔ اور تو چل اسی پر جو حکم پہنچے تیری طرف اور صبر کر یہاں تک حکم آئے اللہ کا، اور وہ ہے سب سے بہتر حکم کرنے والا (جو کام کرو حکم آنے پر کرو)

احزاب آیت ۲:۔ اور اتباع کر اس کی جو حکم آئے تجھ کو تیرے رب کی طرف سے، بے شک اللہ تمہارے کام کی خبر رکھتا ہے۔ اب یہ دیکھا جائے کہ نکاح کے بارے میں قرآن کا کیا حکم ہے۔

سورہ نساء آیت ۱:۔ اے نوع انسانی بچو رب اپنے سے (ڈرو رب کی مخالفت سے) جس نے پیدا کیا تم کو حقیقت ایک سے اور اسی جنس سے اس کا جوڑا (پیدا کیا) اور پھیلائے دونوں سے مرد بہت سے اور عورتیں۔ اور بچو (مخالفت) اللہ سے جو وہ ہے کہ سوال کرتے ہو ساتھ اس کے اور بچو (مخالفت) قرابت سے بے شک اللہ ہے اوپر تمہارے خبر رکھنے والا۔

۲:۔ اور دے دو یتیموں کو مال ان کا اور نہ تبدیل کرنا (اپنا) برا مال ساتھ اچھے مال ان کے، اور نہ کھاؤ مال ان کے ساتھ مالوں اپنوں کے، بے شک یہ گناہ ہے بڑا۔

۳:۔ اور اگر خوف کرو تم کہ نہ انصاف کرو گے تم یتیم عورتوں میں تو نکاح کرو جو پسند کریں تمہیں عورتوں میں سے۔ دو۔ دو۔ یا تین، تین یا چار۔ چار۔ پھر اگر خوف کرو تم کہ نہ عدل کرو گے تو ایک (خاندانی آزاد عورت) یا جس کے مالک ہوئے دائیں ہاتھ تمہارے یہ اس لئے ہے تا کہ تم عائلی عدم توازن سے بچو۔

سورہ احزاب آیت ۵۲:۔ حلال نہیں تجھ کو عورتیں اس کے بعد اور، نہ یہ کہ ان کے بدلے کرے اور عورتیں اگر چہ خوش لگے تجھ کو ان کی صورت اور جو مال ہو تیرے ہاتھ کا، اور ہے اللہ ہر چیز پر نگہبان۔

سورہ محمد آیت ۴:۔ سو جب تم مقابل ہو منکروں کے تو مارو گردنیں، یہاں تک کہ خوب قتل کر چکو ان کو، تو مضبوط باندھ لو قید، پھر یا احسان کر کے (چھوڑ دینا) یا معاوضہ لے کر چھوڑ دینا

تا آنکہ لڑائی ہتھیار رکھ دے، یہ ہے تمہارے کرنے کا کام، اللہ چاہتا تو خود ہی ان سے نمٹ لیتا، پر جانچنا چاہتا ہے تمہارے ایک سے دوسرے کو اور جو لوگ مارے گئے اللہ کی راہ میں تو نہ ضائع کرے گا وہ ان کے یہ کام۔

واضح ہو کہ مومن اور جہاد کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ مومن مرد کی زندگی میں کسی وقت بھی ایسا موقع آ سکتا ہے کہ اس کو میدان جہاد میں پہونچ کر جہاد کرنا پڑے۔ مومن کی شان یہ ہے کہ وہ دین حق کی خاطر اللہ کی راہ میں جان دینے کے لئے ہر آن تیار رہتا ہے۔ ایسے حالات میں جب مومن مرد جہاد کرتے ہیں تو شہید بھی ہوں گی اور جنگ سخت ہوتی ہے تو شہادتیں بھی زیادہ ہوتی ہیں، ناگہانی آفات یا وبائی امراض کے سبب مرد زیادہ مر گئے، تو ان کے بعد یتیم بچے اور بیوہ عورتیں رہ جاتی ہیں۔ بیوہ عورتیں بھی یتیم کے خانے میں آتی ہیں۔ کیونکہ ان کا سہارا ہی ختم ہو جاتا ہے۔ تو ایسی حالت میں کیا ہوگا، اس بارے میں اللہ کا کیا حکم ہے؟

جو مرد بچے ہیں ان کے پاس پہلے سے ہی بیویاں موجود ہیں، اس بارے میں حکم الٰہی ۴/۳ میں دیا جا رہا ہے کہ اگر کبھی ایسا وقت آ جائے جب جنگ یا کسی اور وجہ سے مرد کم ہو جائیں اور وہ اپنے پیچھے بیوہ عورتیں اور یتیم بچے چھوڑ گئے ہوں تو ان کی پرورش اور ان کو غلط کاموں سے بچانے کے لئے ان کی دیکھ بھال ٹھیک سے کرو۔ اگر اس طرح سے دیکھ بھال و پرورش نہ کر سکو تو ان بیوہ عورتوں سے جو تم کو پسند کریں، دو، تین، چار تک نکاح کر لو جس سے ان بچوں اور عورتوں کو ایک مضبوط سہارا مل جائے اور کوئی ظالم ان پر دست درازی اور ان کا استحصال نہ کر سکے، تاہم یہ چار نکاح تک کی اجازت صرف ہنگامی حالت میں ہی ہے جب عورتوں کی تعداد زیادہ ہو جائے اور یتیم بچوں کی پرورش کا تقاضہ ہو۔ ہنگامی حالات ختم ہوتے ہی پھر وہی ایک نکاح کی اجازت ہے، عدل اور قانون فطرت یہی ہے چونکہ اللہ نے مرد اور عورت تقریباً برابر پیدا کئے ہیں۔ اگر مرد اس توازن کو بگاڑتا ہے تو وہ قانونِ فطرت سے بغاوت کرتا ہے۔ ۴/۳۔ ۴/۲۵۔ ۲/۲۳۔ ۷۰/۲۹۔۳۰

یہ اس لئے کہ ہر شخص جانتا ہے جیسا کہ اوپر کہا گیا ہے کہ عمومی حالات میں دنیا میں

مرد اور عورتیں تقریباً برابر ہوتے ہیں۔ بس اتنا فرق ہوتا ہے کہ کہیں عورتیں ایک یا دو۲ فیصد زیادہ کہیں مرد زیادہ، اس تناسب کے ساتھ اگر چار نکاح کی اجازت عام حالات میں دی جاتی ہے تو توازن قائم نہیں رہ سکتا؟ وہ اس لئے کہ فرض کرو دنیا میں مسلمانوں کی شادی کے قابل مردوں اور عورتوں کی کل آبادی ایک ارب ہے تو ان میں آدھے کے حساب سے پچاس کروڑ مرد اور اتنی ہی عورتیں ہوں گی یا ۴۹ اور ۵۱ کا تناسب ہوگا۔

ایک وقت میں چار تک بیویاں رکھ سکنے کی اجازت کا سہارا لے کر اگر دس کروڑ صاحب ثروت و امارت مردوں نے چار، چار عورتیں کر لیں تو اس طرح چالیس کروڑ عورتیں پابند ہو گئیں۔ صرف دس کروڑ عورتیں بچیں گی اور مرد چالیس کروڑ۔ یہ دس کروڑ عورتیں صرف دس کروڑ مردوں کی ہی بیویاں بن سکتی ہیں، جب کہ یہ دس کروڑ مرد بھی ایک ایک عورت پر ہی قناعت کریں۔ اس طرح باقی تیس کروڑ مرد عورتوں سے محروم رہیں گے۔ بغیر عورت کے مرد نفس کا شکار ہو سکتا ہے۔ جب یہ حالت ہوگی تو معاشرہ عدم توازن کا شکار ہوگا اور بد چلنی عام ہو جائے گی، جس سے معاشرہ تباہ و برباد ہو جائے گا۔ چونکہ اللہ انسانی فطرت سے واقف ہے اس لئے اس نے صرف ہنگامی حالات کے لئے چار نکاح تک کی اجازت دی ہے عمومی حالات میں صرف ایک عورت ہی رہے گی۔ آیات ۴/۲۵۔ ۴/۳۔ ۲/۲۳۔ ۷۰/۲۹۔۳۰ میں بھی یہی ہے کہ اگر توازن قائم نہ کر سکو تو صرف ایک خاندانی آزاد عورت یا پھر ماملکت ایمانکم۔ اور یہ بھی نکاح کے ساتھ رہے گی۔

ماملکت ایمانکم کیا ہے؟ اس پر بھی غور ضروری ہے۔ آیت ۴۷/۴ میں صاف ہے کہ جب تم قیدی باندھ لو اور لڑائی ہتھیار رکھ دے یعنی ختم ہو جائے تو ان قیدیوں کو فدیہ لے کر ایک یا دو آزاد کر دو، یا جس پر رقم نہیں ہے اس کو احسان کر کے چھوڑ دو یا اپنے قیدی بھی دوسرے فریق کے پاس ہو سکتے ہیں ان سے تبادلہ ہوگا۔ گویا ہر حال میں آزاد کرنا اور کرانا ہے۔ اسلام نے غلامی کے رواج کو ختم کیا ہے تو پھر یہ کنیز اور غلاموں کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ مغرب نے ۱۸۰۰ء میں اس مسئلہ پر توجہ دی ہے۔ جو زمانہ سابق سے غلاموں کا رواج تھا، اسلام نے ان کو آزاد کرنے کا ایک طریقہ بتلایا ہے جو کفارے کے طور پر عمل میں

آتا تھا۔ اللہ نے ہر پہلو کو روشن کیا ہے کہیں جھول نہیں رکھا۔

ان رہا کئے ہوئے مرد یا عورتوں میں بہت سے ایسے بھی ہو سکتے ہیں کہ وہ مسلم معاشرے سے متاثر ہو گئے ہوں اور کافر معاشرہ میں واپس جانے کو تیار نہ ہوں، اور ان کا وہاں کوئی سہارا بھی باقی نہ رہا ہو، تو ایسی حالت میں وہ اسلامی حکومت کے زیر نگیں علاقہ میں رہیں گے اور ان کو حکومت اپنی ولایت اپنے عہد میں لے لے گی۔ اور ان میں جو عورتیں ہوں گی اگر ان میں سے کوئی کسی مرد کے ساتھ نکاح کرنا چاہے، جیسا آیت ۴/۲۵ میں بتلایا گیا ہے تو وہ اس مرد کے ساتھ نکاح کر سکتی ہے، اجازت کے ساتھ۔ ایسی صورت میں بھی صرف ایک نکاح کا جواز ہے اور وہ بھی قاعدے کے مطابق مہر وغیرہ دے کر کیا جا سکتا ہے۔

سورہ نور آیت ۳۳ میں بھی لونڈی کو نکاح کرنے کی اجازت ہے، یعنی اگر وہ نکاح کرنا چاہے، تو تم ان کو مت روکو کیا تم اپنے دینوی فائدے کے لئے ان کو اس جائز کام سے روکو گے تو تم خود گنہگار ہو گے۔ یہ ہے ماملکت ایمانکم یعنی جو تمہارے داہنے ہاتھ میں ہوں یعنی تمہاری زیر نگرانی تمہارے میثاق میں ہوں۔ وہ غلام اور کنیز بن کر نہیں رہیں گے بلکہ آزاد ہوں گے صرف حکومت کی دیکھ بھال ہوگی تاکہ ان کو کوئی پریشان نہ کر سکے۔

اب یہ دیکھیں کہ یہ آیت کس سن ہجری میں نازل ہوئی اور اس وقت نبیؑ کے نکاح میں کتنی ازواج تھیں۔ سورہ نساء ۳ھ میں نازل ہوئی اور تین ہجری کے آخر تک حضورؐ کے نکاح میں حیات ازواج کی تعداد جو سامنے آتی ہے وہ دو یا تین آتی ہے۔ اس باب کے آغاز میں ہی فہرستیں دے دی گئی ہیں جو اپنے اندر بہت زیادہ تضاد رکھتی ہیں اور ایک تحقیقی ذہن میں نہ معلوم کتنے شکوک پیدا کرتی ہیں۔ ان فہرستوں سے کل نکاح ۲۳ تک ظاہر ہوتے ہیں مگر سن ۳ھ تک صرف چار یا پانچ ہی ہیں ان میں دو کا انتقال ہو گیا تھا۔ اس لئے ایک وقت میں سن ۳ھ کے آخر اور سن ۴ھ کے شروع تک صرف تین یا دو بیویاں ہی نظر آتی ہیں۔

اب نبی کے بارے میں دیکھا جائے کہ ان کو اس بارے میں کیا حکم ہے کوئی خاص حکم تو نہیں ہے آیت ۳۳/۵۲ میں صاف حکم ہے کہ آپ اب کسی عورت کو طلاق نہیں دے سکتے اور نہ ہی کوئی جدید نکاح کر سکتے ہو نہ آزاد عورت سے اور نہ ماملکت ایمانکم سے۔ اُدھر

آیات ۶/۱۰۶، ۱۰/۱۰۹، ۳۳/۲ میں اللہ نے نبی کو حکم دیا کہ آپ اس وحی حکم کی پیروی کریں جو آپ پر کی جارہی ہے۔ نبی کی زبانی آیات ۶/۵۰، ۱۰/۱۵، ۴۶/۹ میں اعلان کرا دیا کہ میں اس وحی، حکم کی پیروی کرتا ہوں، جو میرے پاس میرے رب کی طرف سے آتی ہے۔

اب غور یہ کیا جائے کہ ان سب باتوں کے ہوتے ہوئے پھر ہم یہ کیسے تصور کر لیں کہ حضورؐ نے اللہ کے ان واضح احکام کی خلاف ورزی کی ہوگی۔ ہرگز نہیں۔

آپ کی جوانی کی زندگی دیکھی جائے، آپ کی عمر ۲۵ سال، پورے جوان، آپ کا نکاح حضرت خدیجہؓ سے ہوتا ہے، جو بیوہ تھیں اور حضرت خدیجہؓ کا انتقال ۱۰ نبوی میں ہوتا ہے۔ یعنی حضورؐ کی عمر اس وقت پچاس سال کی، ہو گئی تھی، آپ کی جوانی ڈھل گئی، اس جوانی کے عرصے میں حضورؐ صرف ایک بیوی پر قناعت کرتے ہیں۔ اگر آپؐ کو زیادہ نکاح کرنے ہوتے تو اس وقت اس عمر میں کرتے۔ دوسرے مکہ کے سرداروں نے آکر حضرت ابو طالب سے کہا تھا کہ اپنے بھتیجے کو روکو، یہ جو چاہیں ہم ان کو دیں، روپیہ پیسہ، سرداری عورت، جو چاہیں لیں۔ اگر آپؐ کو عورتوں کی خواہش ہوتی؟ تو اس وقت ہوتی، لیکن اس اللہ کے شیدائی نے کہا کہ اگر یہ دنیا کی بادشاہت جو کچھ اس میں ہے سب دیں تب بھی میں اپنے کام کو چھوڑنے والا نہیں ہوں۔

قارئین، دیکھیں کہ آج کے دور میں بھی جب کسی مصلح قوم کو سماجی اور سیاسی محاذ آرائی کرنا ہوتی ہے اور وہ اپنے مشن کو کامیاب کرنے کے لئے جدوجہد میں مصروف ہوتا ہے۔ تو وہ ہر وقت اپنے پروگرام کو کامیاب کرنے کے لئے ہی منصوبہ بندی کرتا ہے رہتا ہے۔ اس کو اتنی فرصت کہاں ہوتی ہے کہ وہ ڈھیروں عورتوں کے درمیان وقت گزارے ان کے نان نفقہ کے چکر میں ہی لگا رہے۔ اور اکثر ان کے آپس کے جھگڑوں اور حسد میں ہی الجھا رہے جیسا کہ حضورؐ کے لئے لکھ رکھا ہے کہ ایلا تک کی نوبت آ گئی تھی۔

بعض واقعات ایسے بھی تاریخ میں مرقوم میں کہ ایسے اشخاص کی خانگی زندگی کامیاب نہیں رہی، اور انہیں ایک عورت کو بھی طلاق دینا پڑی۔ اس پس منظر میں دیکھا جائے کہ آقائے نامدار حضرت محمدؐ کا کام کتنا اہم تھا۔ آپ کو ہر وقت یہی دُھن اور فکر دامن۔

گیر رہتی تھی کہ قوم کس طرح راہ راست پر آئے۔ اللہ کا دین کس طرح نافذ ہو، اسلام کی سربلندی کے لئے کیا کیا جائے، صلح و جنگ کے معاملات درپیش تھے، آنے والے وفود سے گفتگو کرنا ہوتی تھی، مختلف علاقوں اور حکومتوں کی طرف وفود روانہ کرنے ہوتے تھے، دشمنوں پر حملے اور اسلامی مملکت کے دفاع کے لئے تجاویز پر غور، اور مشاورت، نو قائم شدہ اسلامی مملکت کی بقاء اور انتظامی امور سے متعلق منصوبہ بندی، تبلیغ دین کا انتظام تنازعات اور مقدمات کا فیصل کرنا، ان کے متعلق معلومات حاصل کرنا، دینی شرعی اور دینوی امور یں مومنین کی رہنمائی، منافقین اور مخالفین کی سازشوں کا توڑ اور بیخ کنی، بہ نفسِ نفیس جنگ اور غزوات میں شرکت، غرضکہ اور صدہا امور جن میں آپ ہمہ وقت مصروف رہتے تھے۔ علاوہ ازیں بیت الحال کا انتظام، مالِ غنیمت اور محصلات کی تقسیم، غربا، ومساکین کی امداد، بیوگان اور کمزور طبقہ کے افراد کی خبر گیری اور محافظت، حاجت مندوں کی حاجت روائی، اپنے اہل و عیال کی خورد و نوش کا اہتمام وغیرہ بھی آپ کی مصروفیات کا حصہ تھے۔ قرآن کا لکھنا اور لکھانا، اور اس کی جمع و ترتیب سب سے بڑا کام تھا جس کو آپ نہایت احتیاط اور تن دہی سے انجام دیتے تھے۔ تزکیۂ نفس، عبادات، قیام اللیل میں آپ سب سے بڑھ کر تھے۔ غرضکہ آپ کی زندگی کے شب و روز مسلسل تھکا دینے والی مصروفیات سے پر تھے۔ اب میں ایک دوسری بات پیش کر رہا ہوں۔ حضرت علیؓ کے کہنے سے حضرت فاطمہ حضورؐ کے پاس آئیں اور عرض کیا کہ ایک لونڈی دے دی جائے۔ حضورؐ نے اپنی لخت جگر سے کہا کہ نہیں دی جاسکتی۔ پس ایک تسبیح بتلا دی۔ پھر حضرت علیؓ نے فاطمہؓ کی زندگی میں ابو جہل کی لڑکی سے نکاح کرنا چاہا، جس کی اجازت کے لئے حضورؐ سے معلوم کیا تو حضورؐ نے اجازت نہیں دی۔ بخاری کتاب النکاح جلد سوم ۷۵-۱

نمبر ۲۱۵: مسور بن مخزمہؓ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہؐ سے سنا آپ منبر پر فرمارہے تھے کہ بنی ہشام بن مغیرہ نے مجھ سے یہ اجازت مانگی کہ ہم اپنی بیٹی کی علیؓ بن ابی طالب سے شادی کردیں۔ میں نہیں اجازت دیتا، پھر کہا میں نہیں اجازت دیتا، میں نہیں اجازت دیتا، ہاں اگر ابن ابی طالب میری بیٹی کو طلاق دیدے اور ان کی بیٹی سے بیاہ کرے (تو اسے

اختیار ہے) کیونکہ فاطمہؓ میرے کلیجہ کا ٹکڑا ہے، جو برائی اسے پہنچتی ہے وہ مجھے پہنچتی ہے اور جو اسے ایذا ہوتی ہے وہ مجھے ایذا ہوتی ہے۔

غور کیا جائے کہ حضورؐ دوسرے نکاح کی اجازت نہیں دے رہے؟ لیکن طبری اور دوسرے مؤرخین۔ سیرت نگاروں نے ازواج کی ایک بڑی تعداد جو تقریباً ۲۳ تک ہے رسولؐ کے پیچھے کھڑی کردی ہے۔ اور ان کے علاوہ پانچ جگہ اور پیغام دئے جو منظور نہ کئے گئے۔ اور اس کی تائید میں بہت سی روایات اور احادیث درج کردی ہیں جن کے راوی ثقہ بتلائے گئے ہیں۔

اب تعداد ازواج کے سوال کا قرآنی احکام کی روشنی میں جائزہ لیا جائے۔ ۳ھ میں سورہ نساء کی آیت نازل ہوئی جس میں محض ہنگامی حالات میں بیک وقت چار نکاح تک کی اجازت ہے۔ یہ حکم عام ہے اور جملہ مومنین پر بشمول رسولؐ یکساں طور پر نافذ العمل ہے۔ پورے قرآن میں رسولؐ کے لئے کوئی استثناء کا حکم موجود نہیں ہے۔ یہ امر اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ جب حکم امتناعی قرآن کے ذریعہ دیا گیا ہے تو استثناء کا حکم بھی قرآن کے ذریعہ ہی دیا جانا چاہئے۔ جب رسولؐ سورہ نساء کے حکم سے مستثنیٰ نہیں ہیں، تو وہ بھی بیک وقت چار سے زائد بیویاں رکھنے کے مجاز نہیں تھے۔ اور واقعتہً رسولؐ کے نکاح میں بیک وقت چار سے زائد بیویاں نہیں رہیں۔ کتب تواریخ وسیرت کی روایات منافقین ومخالفین کی تراشیدہ ہیں۔ افسوس ہے کہ طبری اور دوسرے مورخین نے اس اہم نکتہ کی طرف توجہ نہیں کی۔ اور وہ دانستہ یا نادانستہ منافقین اور مخالفین کے آلہ کار بن گئے۔ اب ہم ازواج رسول کی تعداد کا بطور واقعہ جائزہ لیں سورہ نساء نزول کے وقت آپ کے نکاح میں حیات بیوی تین تھیں اور ایک بیوی جن کا نام زینب بنت جحش ہے جو آپ کی پھوپھی زاد بہن تھیں سے آپ کو نکاح ہنگامی حالات کے تحت کرنا پڑا جو سورت احزاب اور سورت تحریم میں مرقوم ہے۔ اس طرح یہ تعداد چار ہوگئی اور یہ تعداد حتمی قرآن کے مطابق ہے اور یہی اللہ کا حکم بھی ہے۔ ان چار کے علاوہ جن اور ازواج کے نام سامنے آتے ہیں ان سے متعلق روایات قرآنی احکام کی روشنی میں درست نہیں ہیں۔

اس بارے میں نعیم صدیقی صاحب کی تحقیق جو ان کی کتاب محسن انسانیت میں درج ہے کسی حد تک ٹھیک ہوسکتی ہے، انہوں نے صرف آٹھ نکاح لکھے ہیں۔ مگر میرے اپنے حساب سے قرآن اور تاریخ کی روشنی میں چھ آتے ہیں جن میں سے دو کا انتقال ہوگیا اس لئے ایک ساتھ آپ کے نکاح میں چار بیویاں رہتی ہیں۔

علماء کرام متعدد نکاح کی کئی تاویلات پیش کرتے ہیں ان کو بھی دیکھ لیا جائے (۱) سیاسی اغراض کے لئے نکاح کئے یعنی ان نکاح کے کرنے سے بڑے بڑے خاندان جو دشمن تھے ان سے دوستی ہوگئی اور اسلام کو ترقی ہوگئی (۲) تبلیغ دین کی غرض سے کہ حضورؐ اکیلے تھے اپنا ہاتھ بٹانے کے لئے زیادہ نکاح کئے (۳) بیواؤں کا اور مطلقہ کا مسئلہ حل کرنے کی بھی ضرورت تھی وغیرہ علماء کرام کی پیش کردہ مندرجہ بالا تاویلات نہایت بودی ہیں؟

اسلام اللہ کا نازل کردہ سچا اور مکمل دین ہے۔ یہ دین محمدؐ پر نازل کیا گیا ہے جو رسول برحق ہیں، اور نبی آخر الزماں ہیں۔ ان پر قرآن وحی کیا گیا ہے۔ جو سچی اور آخری کتاب ہے۔ اسلام محمدؐ کی رسالت اور قرآن رہتی دنیا تک کے لئے ہیں۔ اسلام دین حق اور اعلیٰ اقدار کا حامل ہے، اور یہ اپنی حقانیت اور بلند و بالا قدروں اور تائید الٰہی کی بنا پر اقامت پزیر ہوا ہے۔ اسلام اپنی اقامت، نفاذ، توسیع اور اشاعت کے لئے رشتوں، ناتوں، اور قرابت داری کا محتاج نہیں ہے۔ اسلام دراصل محبت، اخوت، بھائی چارگی، حقوق العباد کی ادائیگی مساوات صلۂ رحمی، پاسِ عہد، نیکی، شرافت، بلند اخلاقی معیار، پاک دامنی، پاک بازی، عدل و انصاف، امن و راستی، انسان دوستی احسان شناسی خوش خلقی، غربا و یتامیٰ پروری تقویٰ و پرہیزگاری، جیسی اعلیٰ درجہ کی خصوصیات سے مُتّصف دین ہے۔ اسلام نے ظلم و رنگ و نسل کی تفریق، ذات پات کے بھید بھاؤ، عدم مساوات، زبان سے متعلق اور علاقائی عصبیت سماجی اور معاشرتی عدم توازن جنسی بے راہ روی، فحاشی اور بدکاری، باہمی دشمنی اور عداوتوں کو دور کیا ہے۔ بیت المال، اور زکوٰۃ کا نظام رائج کرکے نہ صرف معاشی بدحالی کو دور کیا ہے بلکہ معاشرہ کو معاشی استحکام عطا، کیا ہے۔ رشوت اور سود کی حرمت کے ذریعہ معاشی استحصال کی جڑیں کاٹ دی ہیں۔ جواز ناکاری اور شراب کی حرمت کے توسل سے بد

اخلاقی کا سد باب کیا ہے، نیز نظامِ قصاص اور سخت تعزیرات نافذ کرکے جرائم کا انسداد کیا ہے۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ اسلام کو شادی بیاہ کے رشتوں کے سہارے کی ضرورت تھی تو اس سے اسلام کا دوامی دین ہونے کا نظریہ اس کی عالم گیریت اور آفاقیت مجروح ہوکر رہ جائے گی۔ اور پھر آپ کو مغل اور دیگر بادشاہوں کے اس فعل کو، جس میں انہوں نے اپنی حکومتوں کے استحکام کے لئے راجپوتوں سے شادی بیاہ کے رشتے قائم کئے تھے، صحیح تسلیم کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہ ہوگا۔ مگر پھر بھی ان کی حکومتیں بغاوتوں کے سبب ختم ہوگئیں اور انہیں خاندانوں نے کیں جہاں رشتے کئے گئے تھے۔

اللہ نے ازواج رسولؐ کو خصوصی طور پر پردے کے سخت احکام دئے تھے۔ ان کو گھر کی چہار دیواری سے باہر نکل کر آزادانہ گھومنے پھرنے پر سخت پابندی تھی۔ تاریخ اور سیرت کی کتابوں میں ایسی روایات نہیں ملتیں جن سے یہ ثابت ہو کہ ازواج رسولؐ تبلیغ دین کے لئے گھر سے باہر جاتی تھیں یا اس سلسلہ میں سفر کرتی تھیں۔ علاوہ ازیں رسولؐ نے تبلیغ دین کے لئے ایک الگ نظام قائم کیا تھا۔ اصحاب صفہ کی جماعت تھی، بہت سے عالم اور حفاظ اس کام کے لئے مقرر تھے جو اسلامی مملکت کے طول و عرض میں قرآن اور دین کی تعلیم دیتے تھے رہا سوال عورتوں میں تبلیغ کا تو ان کے لئے بھی حضورؐ درس دیتے تھے اور جو مرد حضورؐ سے سیکھ کر جاتا تھا اس پر یہ بھی لازم تھا کہ وہ اپنی عورتوں کو بھی سکھائے علاوہ ازیں اللہ نے ازواج کو صرف ایک حکم دیا ہے جو قرآن میں درج ہے کہ اے نبی کی بیویو! نبی جو دین کی باتیں تم کو بتلائیں تم ان کو اپنے گھروں میں رہتے ہوئے ان کو بتلاؤ جو تمہارے پاس عورتیں ملنے آتی ہیں۔

علماء کرام نے تیسری بات یہ کہی ہے کہ بیوگان اور مطلقہ خواتین کے مسائل حل کرنے کے لئے رسولؐ نے زیادہ نکاح کئے۔ لیکن ان کا یہ نظریہ بھی حقیقت سے دور ہے۔ دراصل اسلامی مملکت میں بیوگان اور مطلقہ خواتین کی خاصی بڑی تعداد تھی عہد جاہلیت میں بیوگان، اور مطلقہ عورتوں سے نکاح معیوب سمجھا جاتا تھا۔ ایسی صورت میں رسولؐ کے محض دو تین چار خواتین سے نکاح کر لینے سے مسئلہ حل نہیں ہوسکتا تھا بلکہ اسے وسیع تر بنیادوں پر حل

کرنے کی ضرورت تھی۔ اسلام نے نہ صرف بیوگان اور مطلقہ عورتوں سے نکاح کو جائز ٹھہرایا بلکہ اس طرف مومنین کو رغبت اور خصوصی توجہ دلائی۔ اس لئے رسول کی حیات میں اور ان کے بعد بھی یہ مسئلہ باقی نہیں رہا تھا۔

یہ سب دلائل اپنی جگہ، لیکن اس سلسلہ کی دلیل قطعی تو وہ حکم امتناعی ہے جو سورہ نساء میں دیا گیا ہے مولانا مودودی تفہیم القرآن میں سورہ النساء کے حاشیہ نمبر ۵ میں رقم طراز ہیں:۔

''اس بات پر فقہاء امّت کا اجماع ہے کہ اس آیت کی رو سے تعداد ازواج کو محدود کیا گیا ہے اور بیک وقت چار سے زیادہ بیویاں رکھنے کو ممنوع کر دیا گیا ہے۔ روایات سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ چنانچہ احادیث میں آیا ہے کہ طائف کا رئیس غیلان جب اسلام لایا تو اس کی نو بیویاں تھیں۔ نبی نے اسے حکم دیا کہ چار بیویوں کو رکھ لے اور باقی کو چھوڑ دے۔ اسی طرح ایک دوسرا شخص (نوفل بن معاویہ) کی پانچ بیویاں تھیں۔ آپ نے حکم دیا کہ ان میں سے ایک کو چھوڑ دے''

مندرجہ بالا روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ رسولؐ نے سورہ نساء کے حکم امتناعی کو اپنی اُمت کے افراد پر نافذ کیا۔ ظاہر ہے کہ رسولؐ دوہرا معیار نہیں اپنا سکتے تھے، یعنی اپنے لئے کچھ اور اُمّت کے افراد کے لئے دوسرا۔ پس ثابت ہوا کہ رسولؐ کے نکاح میں بیک وقت چار سے زیادہ ازواج نہیں رہیں۔ اور جو روایات اس کے خلاف ہیں وہ سب ناموسِ رسولؐ کے خلاف ہیں اور قابلِ رد ہیں۔

تمت بالخیر

۲ر رجب المرجب ۱۴۲۲ھ

۲۰ر ستمبر ۲۰۰۱ء

سکندر احمد کمال، چاند پور محلّہ شاہ چندن ضلع بجنور

مقیم حال۔ پٹواری کا نگلہ آدم نگر بر ولی روڈ علی گڑھ